معارف

جون ۲۰۱۹ء

مجلس دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

سالانہ زرتعاون

ہندوستان میں سالانہ ۲۸۰؍روپئے۔ فی شمارہ ۲۵؍روپئے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۴۸۴؍روپئے

دیگر ممالک میں سادہ ڈاک ۱۶۶۰؍روپئے۔ دیگر ممالک رجسٹرڈ ڈاک ۱۷۸۰؍روپئے

ہندوستان میں ۵ سال کی خریداری صرف ۱۳۰۰؍روپئے میں دستیاب۔

پاکستان میں ماہنامہ معارف کے لئے رابطہ کریں

HAFIZ SAJJAD ELAHI

196 - AHMAD BLOCK, NEW GARDEN TOWN

LAHORE (PUNJAB) PAKISTAN

Tel: 0300 - 4682752, (R) 5863609, (O) 7280916

Email: abdulhadi_133@yahoo.com

سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں۔

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

- زرتعاون ختم ہونے پر تین ماہ کے بعد رسالہ بند کردیا جائے گا۔
- معارف کا زرتعاون وقت مقررہ پر روانہ فرمائیں۔
- خط وکتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
- کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

Email: shibli_academy@rediffmail.com, info@shibliacademy.org

Website: www.shibliacademy.org

Bank Name: Punjab National Bank - Heerapatti, Azamgarh

Account No: 4761005500000051 - IFSC No: PUNB0476100

✆ (Office Mobile) 09170060782

ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی (جوائنٹ سکریٹری رمنیجر) نے معارف پریس میں چھپوا کر

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۲۰۳ ماہ رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ مطابق ماہ جون ۲۰۱۹ء عدد ۶

فہرست مضامین

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر: ۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

شذرات

انتخابات کے بعد ملک میں جو صورت حال ابھر کر سامنے آئی ہے اس کے پس منظر میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آنے والے دنوں میں مسلمانوں کی مشکلات میں اضافہ ہوگا اور ان کو شاید زیادہ سخت چیلنجز کا سامنا کرنا پڑے۔ ہماری دعا ہے کہ ایسا نہ ہو اور اعلیٰ ترین حکومتی سطح پر مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرنے کے سلسلہ میں جس عزم کا اظہار کیا گیا ہے اس کے مثبت نتائج سامنے آئیں۔ بہرحال اس سلسلہ میں یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمان اس سے پہلے بھی بڑی آزمائشوں سے گزر چکے ہیں۔ اس ملک میں اپنے وجود کی پوری تاریخ میں سب سے بڑی آزمائش جس سے وہ دوچار ہوئے وہ ملک کی تقسیم تھی جس کے بطن سے وہ بے شمار مسائل پیدا ہوتے رہے ہیں جن کی وجہ سے ان کا پورا وجود داغ داغ ہے اور وہ ایک دو زخم نہیں سارا بدن ہے چھلنی، کی تصویر بن کر رہ گئے ہیں۔ تقسیم کے بعد سے وہ جن آزمائشوں سے گزرے ان کی فہرست بڑی لمبی اور دردناک ہے لیکن وہ نہ صرف ان سے گزر گئے بلکہ کئی میدانوں میں تمام تر مشکلات کے باوجود انہوں نے بہت کچھ ترقی بھی کی ہے، بہت کچھ حاصل بھی کیا ہے اور کئی معاملات میں اپنی صلاحیت کا لوہا بھی منوایا ہے۔ اس لیے وقت کے بدلے ہوئے تیور سے نہ تو ہراساں ہونے کی ضرورت ہے اور نہ بددل۔ خوف زدہ ہونے کا تو کوئی سوال نہیں اس لیے کہ مسلمان صرف اللہ سے ڈرتا ہے۔ ہندوستانی مسلم معاشرہ کے اندر بہت سی کمیوں کے باوجود اتنی بصیرت، دوراندیشی، عزم، حوصلہ اور صلاحیت موجود ہے کہ وہ ہر طرح کی صورت حال سے نمٹ سکتے ہیں اور بڑے سے بڑے چیلنج کا کامیابی سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ قوموں کی زندگی میں اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں۔ ارشاد ربانی ''وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ'' اس پر شاہد ہے۔ زندہ قومیں اپنی حکمت عملی اور سوجھ بوجھ کی مدد سے ان دشوار مرحلوں سے کامیابی سے گزر جاتی ہیں۔ مسلمان تو خوش قسمت ہیں کہ ان کے پاس کتاب اللہ کی رہنمائی موجود ہے۔ ضرورت اس کی طرف رجوع کرنے کی اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کی ہے۔ اس کی ازلی اور ابدی تعلیمات و ہدایات کی روشنی میں وہ کامیابی سے تاریخ کے اس دشوار گزار موڑ سے بھی گزر جائیں گے۔ ناامیدی اور مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ ایک صاحب ایمان کے لیے خدا کی رحمت سے مایوسی کا کیا جواز ہوسکتا ہے۔

نہ ہو نومید، نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے امیدِ مردِ مومن ہے خدا کے راز دانوں میں

چنانچہ مسئلہ ہمارے اندر ہے، ہمارے باہر نہیں۔ باہر خزاں ہو یا بہار اگر ہمارے اندر کا موسم درست ہے تو باہر کی بادسموم اس پر چنداں اثر انداز نہیں ہوسکتی، اس ذلت ونکبت سے نجات کی جس میں ہم اپنی شامت اعمال سے گرفتار ہیں، صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ اللہ کی مضبوط رسی قرآن کو پوری قوت کے ساتھ تھام لیا جائے اور اس سے ٹوٹے ہوئے رشتے کو پھر سے استوار کیا جائے۔ ہماری عزت و ذلت کا سوال ناگزیر طور پر کتاب الٰہی سے مربوط ہے۔ چنانچہ حالات اور ان کے لیے ذمہ دار اسباب کا تجزیہ کرنے میں اس پہلو سے صرف نظر کرنا مہلک ہوگا۔ مزید برآں قرآن وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں جب اس مسئلہ کا گہرائی سے تجزیہ کیا جائے تو ایسے اور کئی پہلو سامنے آتے ہیں جن کی طرف ایک تکثیری معاشرہ میں توجہ ضروری ہے۔ ایسے کئی کام ہیں جن کو اگر سمجھداری اور سلیقہ سے کیا جائے تو ہندوستان کا مسلم معاشرہ ایک مثالی معاشرہ میں ڈھل جائے اور ملک کے وسیع تر معاشرہ پر بھی اس کے نہایت خوشگوار اثرات مرتب ہوں۔ یہاں ان کے استقصا کا موقع نہیں صرف مثال کے طور پر ایک دو چیزوں کا ذکر مقصود ہے، حسن خلق اور خدمت خلق اسلام کی اعلیٰ ترین تعلیمات کا حصہ ہیں۔ ان صفات کو اگر اختیار کر لیا جائے تو ان کی برکت سے نہ صرف مسلم معاشرہ کی صورت حال میں نمایاں بہتری آجائے گی بلکہ ہندوستان کے وسیع تر معاشرہ میں مسلمانوں کے بارے میں نقطہ نظر میں تبدیلی آ جائے گی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ لوگوں میں بہتر آدمی وہ ہے جس سے دوسروں کو فائدہ پہنچے۔ ان تعلیمات پر عمل کرنے کی برکت یہ تھی کہ مسلمان تاجروں کے حسن خلق سے متاثر ہوکر پورے پورے ملک حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اب ہمارے اندر حسن خلق کی وہ کیفیت باقی رہی نہ خدمت خلق کا وہ جذبہ۔ ہم عام حالات میں خود اپنے معاشرہ کے ارکان کی فلاح و بہبود کے لیے کچھ زیادہ فکر مند نہیں رہتے اور اپنے چاروں طرف وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی غربت، افلاس، بیماری اور دوسری مشکلات کے شکار افراد کے تئیں بہت زیادہ حساس نہیں رہ گئے ہیں۔ اگر ہم اسلام کی ان تعلیمات کی بجا آوری کی مخلصانہ کوشش شروع کر دیں تو اس کا سب سے بڑا فائدہ خود مسلمان معاشرہ کو ہوگا اور ملکی سطح پر بھی اس کے نہایت خوشگوار اور مثبت نتائج مرتب ہوں گے۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام باشندگان

ملک کے دکھ درد میں شریک ہوں۔ کمزوروں، ناداروں، معذوروں اور ضرورت مندوں کو گلے لگائیں، ان کے آنسو پوچھیں اور جہاں تک ممکن ہو ان کو سہارا دیں۔ خلق خدا کا کنبہ ہے (الخلق عیال اللہ) اس لیے اس سلسلہ میں رنگ، نسل اور مذہب کسی بھی بنیاد پر امتیاز کی گنجائش نہیں۔ یہ عمل جہاں خود ہمارے اندر اخلاقی اور روحانی بالیدگی کا باعث ہوگا وہیں پورے معاشرہ کے لیے باعث خیر و برکت ہوگا۔ نفرت کا جواب اگر محبت سے دیا جائے تو یہ تو ممکن ہے کہ فوری طور پر اس کے نتائج سامنے نہ آئیں لیکن یہ بات یقینی ہے کہ وہ ضائع نہیں جاسکتے اور بالآخر اس کے مثبت اثرات ظاہر ہوکر رہیں گے۔ یہی ہمارے مذہب اور ہمارے رسول ﷺ کی تعلیم ہے اور اسے ہمیشہ ایک عمدہ اخلاقی اصول کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ حالات کے جبر نے ہندوستانی مسلمان کو جن حالات سے دو چار کر دیا ہے، ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں۔ ہماری بنیادی ذمہ داری دعوت دین دراصل جس سے بے اعتنائی کا خمیازہ ہم کو بھگتنا پڑ رہا ہے، اس کے حصول کا بھی یہی سب سے اچھا راستہ ہے، ہمارے حالات میں جب بھی کوئی بنیادی تبدیلی آئے گی وہ اسی راستہ سے آئے گی۔ خاص بات یہ ہے کہ اس کام کے لیے حالات کبھی بھی ناسازگار نہیں ہوتے۔

ان سطور کے لکھنے کے وقت تک نئی حکومت بن چکی ہے۔ مسلمانوں اور نئی حکومت کے درمیان تال میل کی کمی کے باوجود کسی نہ کسی سطح پر حکومت وقت سے تعامل ہماری بھی ضرورت ہے اور حکومت کی بھی۔ سیاسی عمل سے دوری اور لاتعلقی ملی مفاد میں نہیں۔ یہ کام ملی قیادت کے تعاون اور مشورہ سے نومنتخب مسلم ارکان پارلیمنٹ شاید زیادہ بہتر طور پر انجام دے سکتے ہیں۔ اس بات میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ بدلے ہوئے حالات میں ملی قیادت کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ ملی قیادت موجودہ صورت حال کے مضمرات اور تقاضوں سے پوری طرح آگاہ ہے اور اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے وہ کوئی قابل عمل منصوبہ بھی تیار کر رہی ہوگی۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس بھاری ذمہ داری کو بحسن وخوبی ادا کرنے کے لیے اتحاد مقاصد اور اتحاد عمل لازمی شرط کی حیثیت رکھتے ہیں۔ موجودہ تناظر میں یہ بات بھی بہت زیادہ اہمیت اختیار کرگئی ہے کہ فرقہ وارانہ نظریات کی توسیع کی دانشمندی کے ساتھ ممکن حد تک مزاحمت کی جائے اور جو افراد اور جماعتیں اس میدان میں سرگرم عمل ہوں ان سے بھرپور تعاون کیا جائے۔

مقالات

مصنف عبدالرزاق کی ''کتاب الجامع''
اور معمر بن راشد کی ''الجامع''
ایک معروضی مطالعہ

پروفیسر ظفر احمد صدیقی ☆

ہمارے علم کے مطابق اردو زبان میں مصنف عبدالرزاق اور اس کے قلمی نسخوں کی موجودگی کا تذکرہ غالباً سب سے پہلے عالم اسلام کے نامور محقق اور مخطوطہ شناس ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب (ف ۲۰۰۲ء) نے صحیفۂ ہمام بن مُنبِّہ (اردو ترجمہ) کے مقدمے میں اس طور پر کیا تھا:

> ''مصنف عبدالرزاق: یہ عبدالرزاق بن ہمّام الصنعانی الیمانی بھی بڑے مؤلف گذرے ہیں۔ انھوں نے 'المصنف' نامی ایک ضخیم تالیف دو جلدوں میں علم حدیث پر چھوڑی ہے۔ انھوں نے نہ صرف معمر بن راشد سے فیض تلمذ حاصل کیا بلکہ بہ کثرت دیگر اساتذہ سے بھی حدیث کی معلومات حاصل کیں اور سب کو یکجا کیا۔ اس لیے ناگزیر، ان کی تالیف جامع تر اور ضخیم تر ہوگئی۔ مصنف عبدالرزاق کے مخطوطے استنبول اور صنعاء میں کامل اور حیدرآباد دکن، ٹونک اور حیدرآباد سندھ اور مدینہ منورہ وغیرہ میں ناقص ملتے ہیں۔ اہل علم کو یہ سن کر مسرت ہوگی کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے فاضل پروفیسر ڈاکٹر محمد یوسف الدین اسے آج کل ایڈٹ کررہے ہیں اور جنوبی افریقہ کے عالم اور علم دوست تاجر مولانا الحاج محمد موسیٰ

☆ شعبۂ اردو، اے۔ ایم۔ یو، علی گڑھ۔

میاں صاحب اس کی اشاعت میں دلچسپی لے رہے ہیں۔اس کتاب میں بھی
صحیفۂ ہمام کی حدیثیں بہ کثرت موجود ہیں۔"(۱)

یہ تحریر ۱۹۵۶ء کی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ ان دنوں ڈاکٹر یوسف الدین اس کی ترتیب و تدوین میں مصروف تھے۔لیکن وہ بہ وجوہ اس خدمت کو انجام نہ دے سکے۔دراصل یہ سعادتِ عظمیٰ محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی (ف ۱۹۹۲ء) کے لیے مقدر فرمائی گئی تھی۔چنانچہ ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۲ء کے درمیان ان کی ترتیب وتدوین کے ساتھ یہ کتاب گیارہ جلدوں میں بیروت سے اشاعت پذیر ہوئی۔

اس کی اشاعت کے بعد ۱۹۷۹ء میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے جب صحیفۂ ہمام بن منبہ (انگریزی ترجمہ) کا دسواں ایڈیشن حبیب اینڈ کمپنی حیدرآباد دکن سے شائع کیا تو اس کے انگریزی مقدمے کے حواشی میں ایک جگہ یہ تحریر فرمایا:

"Abd al-Razzaq al-Himayri' Al-Musannaf Beyrouth 1970-1972 11 Vols of which the last one and a half concern the Jami of Ma'mar Ibn Rashid (The editor having not perecieved that)"(P158) (۲)

"عبدالرزاق الحمیری کی تصنیف المصنف ۱۱ جلدوں میں، بیروت ۷۲-۱۹۷۰ء۔
اس کتاب کی آخری جلد اوراس سے پہلے والی جلد کے نصف حصے کا تعلق جامع معمر بن راشد سے ہے"۔(مرتب کو اس کا علم نہ ہوسکا)

اس کے علاوہ ایک دوسرے حاشیے میں یہ عبارت تحریر کی:

" Jami' of Ma'mar (Wich is published inadvertantly in the Musannaf of Abdur-Razzaq as its chapters)" (P35) (۳)

"جامع معمر (جو مصنف عبدالرزاق میں غلطی سے مصنف کے باب کی حیثیت سے شائع ہوگئی ہے"۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کا ایک مراسلہ مورخہ ۱۵/جمادی الاولی ۱۴۰۳ھ (مطابق ۲۸ فروری ۱۹۸۳ء) ماہ نامہ الرشاد، اعظم گڑھ کے شمارہ اپریل ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا جس میں وہ تحریر

فرماتے ہیں:

”ستمبر ۱۹۸۲ء کا شمارہ ابھی ابھی فروری ۱۹۸۳ء کے اختتام پہ پہنچا ہے۔ شکرگزار ہوں۔ اس کے صفحہ ۴۳ پر آپ کے ایک بیان کا اقتباس بھی ہے کہ ”مغازی امام زہری مصنف عبدالرزاق کے ضمن میں شائع ہوچکی ہے۔“ یہ سہو قلم یا سہو حافظہ ہے۔ مصنف عبدالرزاق کی آخری دو جلدوں میں جامع معمر بن راشد چھپی ہے اور اس کے آڈیٹر مولانا اعظمی (مولانا حبیب الرحمٰن صاحب) کو اشتباہ نہ ہوا کہ یہ الگ کتاب ہے، مصنف عبدالرزاق نہیں، بلکہ ان کے استاد معمر بن راشد کی کتاب الجامع ہے۔“ (ص ۵۶)

ڈاکٹر حمیداللہ صاحب نے اپنے تینوں بیانات میں اس پر اصرار کیا ہے کہ مصنف عبدالرزاق کے آخر میں شائع شدہ کتاب الجامع مصنف عبدالرزاق کا حصہ نہیں ہے، بلکہ اسے غلطی سے اس میں شائع کردیا گیا ہے۔ مولانا حبیب الرحمن الاعظمی نے ان کی اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے دلائل پیش کیے ہیں کہ کتاب الجامع، مصنف عبدالرزاق کا حصہ ہے اور یہ کہ مصنف میں اس کی شمولیت کسی غلطی یا غلط فہمی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ خود عبدالرزاق نے اسے اپنی کتاب کا حصہ بنایا ہے اور محدثین نے عہد بہ عہد اسے مصنف عبدالرزاق کا حصہ تسلیم کیا ہے۔ مولانا اعظمی کے پیش کردہ دلائل تین جگہ ملتے ہیں:

۱۔ ”مصنف عبدالرزاق کی کتاب الجامع یا جامع معمر“ یہ مولانا اعظمی کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کے مراسلے کا جواب ہے جو اولاً ماہ نامہ الرشاد، اعظم گڑھ کے شمارہ مئی ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد الفرقان، لکھنؤ کے شمارہ جون جولائی ۱۹۸۳ء میں دوبارہ اس کی اشاعت عمل میں آئی۔

۲۔ ”کتاب الجامع لعبدالرزاق الصنعانی“ یہ مولانا اعظمی کا تحریر کردہ عربی مضمون ہے جو ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب کے اردو مضمون ”مصنف عبدالرزاق اور جامع معمر“ (شائع شدہ الرشاد جون جولائی ۱۹۸۳ء) کے جواب کے طور پر عربی مجلہ البعث الاسلامی، ندوۃ العلماء، لکھنؤ، شمارہ رجب ۱۴۰۵ھ (مطابق مارچ، اپریل ۱۹۸۵ء) میں شائع ہوا۔

۳۔"حیاتِ ابوالمآثر جلد ثانی" از ڈاکٹر مسعود احمد الاعظمی۔ مولانا اعظمی نے البعث الاسلامی میں شائع شدہ اپنے مضمون کی اشاعت کے بعد کچھ اور دلائل بھی البعث الاسلامی کے اپنے شمارے میں اپنے مضمون کے اختتام پر اپنے قلم سے تحریر فرمائے تھے۔ ڈاکٹر مسعود احمد نے انھیں حیات ابوالمآثر جلد ثانی (ص ۶۲۵ - ۶۲۸) میں مرتب اور مفصل انداز میں تحریر کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ بعض دلائل خود انھوں نے بھی اضافہ کیے ہیں۔ ہم یہاں انھیں خود اپنی ترتیب کے مطابق پیش کرتے ہیں:

۱۔ حافظ ابن عبدالبر مالکی (ف ۴۶۳ھ) نے اپنی کتاب 'الاستیعاب فی معرفة الاصحاب' میں 'جامع' کا انتساب عبدالرزاق کی جانب کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"وذکر عبدالرزاق عن معمر فی جامعه عن قتادة عن الحسن وغیره قالوا: أول من أسلم بعد خدیجة علی بن أبی طالب رضی الله وهو ابن خمس عشرة سنة أو ست عشرة سنة وحدثنا معمر عن عثمان الخوری عن مقسم عن ابن عباس قال: أول من أسلم علی۔"(۴)

اس عبارت میں ابن عبدالبر مالکی نے جامع کا انتساب عبدالرزاق کی جانب کیا ہے اور اسی حوالے سے حضرت علی کے قبول اسلام کی دو روایتیں نقل کی ہیں۔ اس انتساب اور ان حوالوں کی صحت کی تصدیق اس طرح ہوتی ہے کہ مصنف عبدالرزاق میں شامل 'کتاب الجامع' کے 'باب أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم' میں ہم ان دونوں روایتوں کو موجود پاتے ہیں۔ اب اگر ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب کے خیال کے مطابق مصنف میں شامل کتاب الجامع کو مصنف کا حصہ نہ مانا جائے تو ابن عبدالبر کا جامع کو عبدالرزاق کی طرف منسوب کرنا اور عبدالرزاق کے حوالے سے مذکورہ دونوں روایتوں کا نقل کرنا دونوں ہی باتیں غلط ہو جائیں گی۔(۵)

۲۔ امام بخاری نے صحیح بخاری کے 'باب افشاء السلام من الاسلام' میں حضرت عمار کی ایک موقوف روایت ان الفاظ میں ذکر فرمائی ہے:

"وقال عمار: ثلاث من جمعهن فقد جمع الایمان: الإنصاف من نفسك، وبذل السلام للعالم، والإنفاق من الإقتار۔"

اس روایت کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی (ف ۸۵۲ھ) فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں:

"وھکذا (یعنی موقوفا) رویناہ فی جامع معمر عن أبی اسحاق، و کذا رواہ عبد الرزاق فی مصنفه عن معمر۔"(۶)

حافظ ابن حجر کے حوالے کے مطابق جب اس روایت کو مصنف عبدالرزاق میں تلاش کیا جاتا ہے تو یہ مصنف میں شامل کتاب الجامع: باب افشاء السلام ہی میں ملتی ہے۔ اس کے علاوہ اور کہیں مذکور نہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ حافظ ابن حجر کے نزدیک بھی کتاب الجامع، مصنف عبدالرزاق کا ایک حصہ ہے اور یہ کہ ان کے پاس مصنف کا جو نسخہ موجود تھا اس کے آخر میں بھی کتاب الجامع شامل تھی۔(۷)

۳۔ حافظ ابن حجر نے الاصابۃ میں حارث بن مالک کی ایک روایت کے بارے میں لکھا ہے:

"روی حدیثه ابن المبارك فی الزھد عن معمر عن صالح بن مسمار أن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: یاحارث بن مالك کیف أصبحت؟ قال أصبحت مؤمنا حقا۔ الی آخر الحدیث۔"

اس روایت کو مکمل طور پر نقل کرنے کے بعد حافظ لکھتے ہیں:

"و کذا أخرجه عبد الرزاق عن معمر عن صالح بن مسمار و جعفر بن برقان أن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال للحارث الخ"

(الإصابة فی تمییز الصحابة، (ذکر حارث بن مالك الأنصاری) ۱/۲۸۹)

حافظ کے حوالے کے مطابق جب عبدالرزاق کے یہاں اس روایت کو تلاش کیا جاتا ہے تو یہ بھی صرف کتاب الجامع کے باب الایمان والاسلام ہی میں ملتی ہے۔ اس کے علاوہ مصنف میں کہیں اور نہیں ملتی۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوا کہ حافظ کے نزدیک کتاب الجامع مصنف کا حصہ ہے۔(۸)

۴۔ صحیح بخاری کے "باب أمور الایمان وقول اللہ تعالی: لیس البر أن تولوا

وجوهکم قبل المشرق والمغرب‘‘ کی شرح میں حافظ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں:

’’ووجه الإستدلال بهذه الأية ، ومناسبتها لحديث الباب تظهر من الحديث الذی رواه عبدالرزاق وغيره من طريق مجاهد أن أباذر سأل النبی صلی الله عليه وسلم عن الإيمان فتلا عليه: (ليس البر) الی آخرها۔‘‘ (فتح الباری: ۱/۷۰)

عبدالرزاق کی یہ روایت بھی جس کا حوالہ حافظ نے سطور بالا میں دیا ہے کتاب الجامع کے باب الایمان والاسلام ہی میں ملتی ہے۔ (۹)

۵۔ امام بخاری نے صحیح بخاری کے باب کتابة العلم میں حضرت ابو ہریرۃؓ کی ایک روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: تابعه معمر عن همام عن أبي هريرة۔ اس قول کی شرح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:

والمتابعة المذکورة أخرجها عبدالرزاق عن معمر

(فتح الباری: ۱/۲۷۶)

عبدالرزاق کی یہ روایت بھی جس کا ذکر حافظ نے متابعت مذکورہ کے ذیل میں کیا ہے کتاب الجامع کے 'باب کتاب العلم' ہی میں ملتی ہے، لہٰذا حسب سابق اس سے بھی یہی ثابت ہوا کہ کتاب الجامع، مصنف عبدالرزاق کا ایک حصہ ہے۔ کتاب الجامع میں یہ روایت مکمل طور پر اس طرح ہے:

’’أخبرنا عبدالرزاق عن معمر عن همام بن منبه أنه سمع أباهريرة يقول: لم يكن من أصحاب محمد صلی الله عليه وسلم أحداً أکثر حديثا منی إلا عبدالله بن عمرو، فإنه کتب ولم أکتب۔‘‘ (۱۰)

۶۔ شیخ محمد سعید سنبل نے رسالۃ الاوائل میں جس حدیث کو مصنف کی آخری حدیث قرار دیا ہے وہی کتاب الجامع کی بھی آخری حدیث ہے۔ اس آخری حدیث کو نقل کرنے کے بعد شیخ سنبل نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ اسی حدیث پر مصنف کا اختتام ہوتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ کتاب الجامع، مصنف عبدالرزاق کا جزو ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شیخ سعید سنبل کے پاس مصنف کا جو نسخہ موجود

تھا اس میں کتاب الجامع بھی شامل تھی۔ شیخ سنبل کی اصل عبارت اس طرح ہے:

''وبالسند المتقدم إلى الإمام الحجة عبدالرزاق الصنعاني: أخبرنا معمر عن ثابت عن أنس رضي الله عنه قال: كان شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى أنصاف أذنيه وهو آخر مصنفه۔'' (ص ۲۲)(۱۱)

۷۔ شیخ سعید سنبل کی طرح شاہ عبدالعزیز دہلوی نے بھی بستان المحدثین میں کتاب الجامع کی آخری حدیث کو مصنف کی آخری حدیث قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''طرفہ اینست کہ مصنفِ خود را ختم کردہ است بہ شمائل، وشمائل را ختم بر ذکر موے آں حضرتؐ تمام کردہ می گوید:

حدثنا معمر عن ثابت عن أنس رضي الله عنه قال: كان شعر النبي (صلى الله عليه وسلم) الى أنصاف أذنيه۔ (طبع مصطفائی کانپور، ص ۵۱)(۱۲)

۸۔ مکتبہ فیض اللہ آفندی میں محفوظ مصنف عبدالرزاق (نسخہ نمبر ۵۴۱) کے قلمی نسخے کے آخر میں یہ عبارت تحریر ہے:

''تم كتاب الجامع بحمدالله وعونه وقوته، وبتمامه تم جميع كتاب المصنف لأبي بكر عبدالرزاق بن همام بن نافع الصنعاني اليماني، والحمدلله رب العالمين بما هو أهله، وصلى الله على محمد نبيه و آله وسلم تسليما۔ في الثالث والعشرين من جمادى الأولى سنة ست وستمأة۔''

یہ ۶۰۶ھ کی تحریر ہے اور اس میں یہ صراحت موجود ہے کہ کتاب الجامع مصنف عبدالرزاق کا حصہ ہے اور اس کی کتابت کی تکمیل کے ذریعے ہی مصنف عبدالرزاق کی تکمیل ہوتی ہے۔

۹۔ دنیا کے مختلف کتب خانوں میں اب تک مصنف عبدالرزاق کے جس قدر قلمی نسخے دستیاب ہوئے ہیں اور وہ ناقص الآخر نہیں ہیں، ان سب کے آخر میں کتاب الجامع موجود ہے اور اسی سند کے ساتھ مذکور ہے جس کے ساتھ مصنف کے دوسرے اجزا مذکور ہیں، یہ بذات خود اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ کتاب الجامع مصنف عبدالرزاق کا جزوِ لاینفک ہے۔

ان تمام تفصیلات کا ماحصل یہ ہے کہ کتاب الجامع، مصنف عبدالرزاق کا آخری حصہ ہے اور اسی پر مصنف کا اختتام ہوتا ہے۔ یہی راے ابن عبدالبر مالکی، حافظ ابن حجر عسقلانی، شیخ محمد سعید سنبل اور شاہ عبدالعزیز دہلوی کی ہے۔ مصنف کے قدیم و جدید قلمی نسخے بھی اسی موقف کی تائید کرتے ہیں۔ لہٰذا اس باب میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کا مولانا اعظمی پر عدم انتباہ کا ایراد والزام بے بنیاد اور خلاف واقع ہے۔ بلکہ مصنف عبدالرزاق کی ہر وہ تدوین وترتیب ناقص کہلائے گی جس میں کتاب الجامع شامل نہ ہو۔

(۲)

مضمون کے اس حصے میں ہم اس امر سے بحث کریں گے کہ مصنف کے آخر میں شامل کتاب الجامع اور جامع معمر بن راشد دونوں الگ الگ کتابیں ہیں یا دونوں ایک ہی ہیں۔

ہمارے علم کے مطابق مصنف عبدالرزاق کی طرح جامع معمر بن راشد اور اس کے قلمی نسخوں کی موجودگی کا تذکرہ بھی اردو زبان میں غالباً سب سے پہلی بار ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے ہی کیا ہے۔ وہ صحیفہ ہمام بن منبہ (اردو ترجمہ) کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

> ''جامع معمر بن راشد: ابوعروۃ (فوت ۱۵۳ھ) نے نہ صرف صحیفۂ ہمام کو بعینہٖ محفوظ رکھا اور اپنے شاگردوں کو املا کرایا بلکہ الجامع نامی ایک کتاب حدیث پر خود بھی تالیف کی۔ جیسا کہ نام ہی بتاتا ہے کہ انھوں نے اس میں ان تمام حدیثوں کو یکجا کیا ہے جو اپنے مختلف اساتذہ سے سنی اور لکھی تھیں۔ علم کی خوش قسمتی سے یہ کتاب اب تک محفوظ رہ گئی اور حال میں ترکی میں مل گئی ہے۔ اس کا ایک نسخہ جامعہ انقرہ کے شعبۂ تاریخ کے کتب خانے میں (ذخیرہ اسماعیل صائب ۲۱۶۴ پر) ہے اور ناقص ودریدہ لیکن بہت قدیم ہے یعنی ۳۶۴ھ میں اندلس (اسپین) کے شہر طُلیطُلہ (ٹولیڈو) میں لکھا گیا ہے۔ دوسرا نسخہ کامل ہے اور استنبول کے کتب خانہ فیض اللہ آفندی میں (۵۴۱) پر ہے اور ۶۰۶ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس کتاب پر استنبول یونیورسٹی کے نوجوان فاضل ڈاکٹر فواد سزگین نے ''ترکیات مجموعہ سی'' نامی رسالے کی بارہویں جلد (۱۹۵۵ء) میں ص ۱۱۵ تا ۱۳۴ پر ایک دلچسپ مقالہ بھی ترکی میں

لکھا ہے جس کا عنوان ہے ''حدیث مصنفا تنک مبدئی و معمر بن راشدک جامعی''
یہ کتاب راوی وار نہیں بلکہ بلکہ موضوع وار مرتب ہوئی ہے......جامع معمر دوسو سے
کچھ زائد ورق پر مشتمل ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی اشاعت کی جلد ہی نوبت آئے۔''(۱۳)

یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے مولانا اعظمی کے جواب الجواب کے طور پر شائع کردہ اپنے مضمون ''مصنف عبدالرزاق اور جامع معمر بن راشد'' میں بھی ان دونوں قلمی نسخوں کا اجمالاً ذکر کیا ہے اور بعض معلومات کا اضافہ بھی کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''جامع معمر بن راشد کے ترکی میں دو مخطوطے ہیں جن پر نام بھی صرف
جامع معمر ہے اور جن میں مندرجات بھی ایک چھوٹی کتاب کے ہیں۔ جلد میں
اور کوئی چیز نہیں۔ ان میں ایک جو بہت قدیم ہے انقرہ میں ہے۔ دوسرا مماثل نسخہ
استانبول میں ہے۔ ان کا ایڈیشن ایک ترکی رفیق نے اشاعت کے لیے تیار کیا۔
انھیں مصنف عبدالرزاق سے دلچسپی نہ تھی۔ میں نے ان دونوں مخطوطوں کے
مندرجات کا مصنف عبدالرزاق کے باب کتاب الجامع سے مقابلہ کیا تو پتہ چلا
کہ وہ ہو بہو ایک ہی چیز ہیں۔ فرق ہے تو وہی جو عام طور پر ایک ہی کتاب کے
مخطوطوں میں ہوتا ہے۔ مکرر عرض کرتا ہوں کہ ان دونوں مخطوطوں پر جامع
معمر درج ہے، جامع عبدالرزاق نہیں۔(۱۴)

ناچیز راقم الحروف ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب مرحوم کی بے لوث مومنانہ سیرت و شخصیت اور ان کی علمی قدر و منزلت کا دل سے معترف و مداح ہے۔ اس کے باوجود عرض پرداز ہے کہ مکتبہ فیض اللہ آفندی کے نسخہ (۵۴۱) کا عکس دستیاب ہے۔(۱۵) اس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کو جامع معمر کا نسخہ قرار دینا ڈاکٹر حمید اللہ صاحب مرحوم کا تسامح ہے۔ یہ درحقیقت مصنف عبدالرزاق کا نسخہ ہے۔ یہ ناقص الاول ہے۔ اس کے موجودہ سرورق پر درمیانِ صفحہ فیض اللہ آفندی کی سیاہ بیضوی مہر ثبت ہے اور اس کے نیچے جلی قلم اور سیاہ روشنائی سے عربی خط میں ۵۴۱ لکھا ہوا ہے۔ جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ وہی نسخہ ہے جس کا ڈاکٹر صاحب نے حوالہ دیا ہے۔ سرورق کی پیشانی پر سب سے اوپر داہنی جانب ک: ۵۴۵ لکھا ہوا ہے۔ اس کے بعد ایک سطر نیچے

تین سطروں میں یہ عبارت درج ہے: ''من کتب الفقیر السید فیض الله المفتی فی / السلطنة العلیة العثمانیة عفی عنه'' اس کے بعد کتاب کا نام اس طرح لکھا ہوا ہے: ''مصنف الامام الحافظ ابی بکر عبداللہ رحمہ اللہ'' اس کے نیچے نیلی روشنائی والی ایک چھوٹی گول مہر ہے جس کی عبارت صاف نہیں ہے۔ اس کے بعد کتب خانے کے نئے اندراجات کے لیے ایک نیلی مستطیل مہر ثبت ہے۔(۱۶)

اس طرح سرورق ہی سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ مصنف عبدالرزاق کا نسخہ ہے نہ کہ جامع معمر بن راشد کا۔ اس کے بعد اصل کتاب کا موجودہ پہلا صفحہ سامنے آتا ہے۔ اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: بسم الله الرحمن الرحیم۔ صلی الله علی محمد وآله وسلم تسلیماً۔ ''باب ماجاء فی الحروریة'' دارالتاصیل، مصر کے ایڈیشن کے مطابق یہ مصنف عبدالرزاق کی آٹھویں جلد میں شامل کتاب العقول کا ۱۷۳واں باب ہے۔ اس باب کے تحت پہلی روایت کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

''عبدالرزاق عن معمر عن الزهری عن أبی سلمة بن عبدالرحمن عن أبی سعید الخدری قال بینا رسول الله صلی الله علیه وسلم یقسم قسما اذجاءه ابن ذی الخویصرة الی آخر الحدیث۔''

اس نسخے کا ترقیمہ گذشتہ صفحات میں مکمل نقل کیا جاچکا ہے جس میں اس کی صراحت موجود ہے کہ یہ مصنف عبدالرزاق کا نسخہ ہے۔ اس کا ایک ٹکڑا یہاں مکرر نقل کیا جاتا ہے: ''تم کتاب الجامع بحمدالله وعونه وقوته، وبتمامه تم جمیع کتاب المصنف لأبی بکر عبدالرزاق بن همام بن الصنعانی الیمانی۔''

اس گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ مکتبہ فیض اللہ آفندی کے نسخہ نمبر (۵۴۱) کو نسخۂ جامع معمر بن راشد قرار دینا ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب کی غلط فہمی تھی۔ یہ درحقیقت مصنف عبدالرزاق کا ناقص الاول لیکن کامل الآخر نسخہ ہے جس سے ان کے مدعا کے برخلاف یہ ثابت ہوتا ہے کہ کتاب الجامع مصنف کا حصہ ہے۔

اب ہم ڈاکٹر صاحب کے ذکر کردہ نسخۂ انقرہ کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ اس

سلسلے کی پہلی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اس نسخے کی اسناد اور سماعات وغیرہ کی تفصیلات بیان نہیں کیں، حالانکہ مخطوطات اور ان کے انتسابات کے سلسلے میں ان کا ذکر ضروری ہوتا ہے۔ محض یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ نسخے پر جامع معمر لکھا ہوا ہے۔ بہرحال اب عرض یہ کرنا ہے کہ ناچیز کو اس نسخے کے چند صفحات کا عکس حاصل ہوگیا ہے (۱۷) جس پر کتاب کا نام، مصنف تک راوی کی سند اور سماعات وغیرہ درج ہیں جن سے قطعی طور پر معلوم ہوجاتا ہے کہ نسخۂ انقرہ بلاشبہ جامع بن معمر کا نسخہ ہے۔ یہ نسخہ اس لحاظ سے نہایت قیمتی ہے کہ دنیا میں اس وقت تک دستیاب جامع معمر کا یہ تنہا نسخہ ہے۔

یہ نسخہ ناقص الاول ہے۔ اس لیے اس کا سرورق موجود نہیں۔ لیکن درمیان میں ایک جزء کے اختتام کے بعد اور دوسرے جزء کے آغاز میں کئی مقامات پر کتاب کے نام، اسناد اور سماعات وغیرہ کی تصریحات موجود ہیں۔ مثلاً جزء ثانی کے اختتام کے بعد والے صفحے پر درمیان میں یہ عبارت درج ہے:

الجزء الثالث عن جامع معمر بن راشد

روایة أبي محمد عبد الرحمن بن أسد بن المنذر الفارسی الكازرونی

عن أبي یعقوب إسحاق بن إبراهیم بن عباد الدبری

عن عبد الرزاق بن همام بن نافع

عن معمر بن راشد

و كتبه بشیر بن خلف بن سعد المرادی

اس کے اوپر کے حصے میں قراءت وسماعت کی تفصیلات اس طرح درج ہیں:

قرأته علی [أبي عبد الله محمد بن عمرو] بمدینة طلیطلة وذلك فی ربیع الأول سنة أربع وستین وثلاث مأة، [۱۱/ربیع الاول (۳) /۳۶۴ھ]

وسمعه ابن عمرو وقرأ جمیع هذا الكتاب خلف بن عیسی بن موسی،

قرأ عیسی بن موسیٰ بن عیسی جمیع هذا الجزء علی العلامة خلف

بن عیسی بن سعید الخیر رضی الله عنه فی [مستهل ربیع الأول فی

سنة أربع وستين وثلاث مأة]

وحضر سماعه عامر بن عبدالله ،وأحمد بن سليمان، و موسى بن خلف بن عيسى، وعيسى بن ربيع ،والعمر بن عيسى، والحسن بن على، وأحمد بن عبدالله ،وعبيدالله بن موسى بصيغته [عن أبي عبدالله محمد بن عمر و إجازة عنه] عن أبي محمد عبدالرحمن بن أسد عن أبي يعقوب إسحاق بن ابراهيم بن عبدالرحمن، عن عبدالرزاق، عن معمر ۔“

اس صفحے کے ذیل میں درمیان صفحہ کی نقل کردہ عبارت کے بعد حسب ذیل عبارت تحریر کی گئی ہے:

الله وفق عبدالوهاب بن محمد وعليه توكله وهو حسبه ومباركة يوسف بن عبدالله بن سعيد بن عبدالله نفع الله له عنه ۔

قرأ خلف بن أفلح جميع هذا الكتاب على العلامة أبي هارون موسى بن خلف بن عيسى فى المسجد الجامع فى [شهر جمادى الآخر سنة ثنتين وثلاثين واربع مأة]

وسمعه خلف بن عبدالملك ،وموسى بن عيسى، واحمد بن عيسى وزكريا بن أسعد وابراهيم بن يوسف وخلف بن عيسى الخير ومحمد بن معروف، محمد بن ابراهيم ۔ المدة فى التاريخ نفسه ۔

اس کے بعد اگلے صفحے پر جزء ثالث کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

الجزء الثالث من جامع معمر بن راشد

باب: [تاب من قتل نفسه، ومن قتل نفسا]

حدثنا العلامة أبي حزم خلف بن عيسى بن سعيد الخير قال: عن ابى عبدالله محمد بن عمرو بن عيشون، اجازة :قال: أخبرنا أبو محمد عبدالرحمن بن أُسد بن المنذر الفارسى الكازرونى قرأة منى عليه

فی منزله بالثنية بمكة [فی ذی القعدہ سنة تسع وثلاثين وثلاث مأة [۱۱ذوالقعدہ ۳۳۹ھ]قال:حدثنا أبو یعقوب إسحاق بن إبراهيم بن عباد الدبری بصنعاء۔"

اسی کے مماثل عبارتیں جزء رابع کے اختتام اور جزء خامس وسادس کے آغاز میں بھی موجود ہیں۔(۱۸) جس سے یقینی طور پر یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ انقرہ کا نسخہ "جامع معمر بن راشد" ہی کا نسخہ ہے۔

ہمارے علم کے مطابق نسخۂ انقرہ کو اصل بنا کر جامع معمر کی مکمل تحقیق وتخریج اور اشاعت ابھی تک عمل میں نہیں آئی ہے۔لیکن جامعۃ القدس، فلسطین کے دو اسکالرس نے ماجستیر (ایم اے) (اصول الدین) کی سند کے حصول کے لیے اس کی جزوی تحقیق وتخریج کی خدمت انجام دی ہے۔ ان میں پہلے اسکالر طارق فایز نایف غوادرۃ ہیں انھوں نے ابتداے جزء اول سے آخر جزء ثالث تک کی تحقیق کی ہے جس پر ۲۵ مارچ ۲۰۱۸ء کو انھیں ماجستیر کی سند عطا کی گئی ہے۔دوسرے اسکالر کا نام موسیٰ احمد ابراہیم خلایلہ ہے انھوں نے "باب من نام حتی یصبح" کے آغاز سے لے کر "باب القول عند رویة الهلال" کے آخر تک کی احادیث کی تحقیق وتخریج کی ہے۔ ان دونوں کے مقالات ہمارے سامنے ہیں۔(۱۹)

طارق فایز کے پاس نسخۂ انقرہ کا مکمل عکس موجود ہے۔ان کے بیان کے مطابق یہ نسخہ ناقص الاول ہے۔اس کے ابتدائی (۴۹) ابواب جن کا تعلق جزء اول اور جزء ثانی سے ہے ضائع ہوچکے ہیں۔طارق فایز نے ان ابواب کی فہرست بھی درج کردی ہے جو "باب وجوب الاستیذان" سے شروع ہوکر "باب النفس فی الإناء" پر ختم ہوتی ہے۔(۲۰) اس کے علاوہ جزء ثالث کے چودہ ابواب بھی ضائع ہوگئے ہیں جن کے نمبر اس طرح ہیں: باب نمبر ۷۹، ۸۷ تا ۹۶، ۱۰۴ تا ۱۰۶۔(۲۱)

موسیٰ احمد ابراہیم خلایلہ نے جامع معمر کے جس حصے کی تحقیق وتدوین کی ہے، وہ ۶۸/ابواب پر مشتمل ہے۔نسخۂ انقرہ میں اس حصے کے تمام اوراق موجود ومحفوظ ہیں۔جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جاچکا اس سلسلے کا پہلا باب "باب من نام حتی یصبح" ہے اور آخری باب "باب القول عند رویة

الھلال"(۲۲) ہے۔انھیں اس مقالے پر یکم جنوری ۲۰۱۸ء کو ڈگری عطا کی گئی ہے۔راقم الحروف نے جامع معمر کے اس حصے کا مصنف عبدالرزاق میں شامل کتاب الجامع سے جب مقابلہ کیا تو ابواب کی ترتیب نیز روایات کی ترتیب وتعداد میں دونوں کو یکساں پایا۔پھر میں نے اس بات کی تحقیق کی کہ کتاب الجامع کے اس حصے میں عبدالرزاق نے معمر کے علاوہ جن دوسرے شیوخ کی اٹھارہ[۱۸] روایتیں درج کی ہیں، وہ جامع معمر میں بھی موجود ہیں یا نہیں؟ تو دونوں کے مقابلے کے بعد معلوم ہوا کہ عبدالرزاق کی وہ تمام ۱۸ رزیادات جامع معمر میں بھی کتاب الجامع کی ترتیب کے مطابق ہی موجود ہیں۔(۲۳)

اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ عبدالرزاق نے جب اپنے استاد کی "الجامع" کی روایت کی تو جہاں جہاں ضرورت محسوس کی اس میں اپنی زیادات بھی داخل کیں اور جب اپنی مصنف ترتیب دی تو کتاب الجامع کے عنوان سے جامع معمر کو (زیادات کے ساتھ) اپنی کتاب کا آخری جزو بھی بنالیا۔اس لیے ایک لحاظ سے جامع معمر مصنف کا ایک حصہ بھی ہے اور دوسرے لحاظ سے وہ جداگانہ کتاب بھی ہے۔حیثیات کے اختلاف کی وجہ سے ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض بھی نہیں ہے۔ہمارے اس خیال کی تائید فہرست ابن خیر الاشبیلی (ف ۵۷۵ھ) کی درج ذیل عبارت سے بھی ہوتی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

> "وحدثني أيضاً بالجامع المضاف إلى مصنف عبدالرزاق۔ وهو جامع معمر حكم بن محمد بن حكم قال حدثنا ابو عبدالله محمد بن عمر بن سعدون من أهل قرطبة، قال: حدثنا أبو محمد عبدالرحمن بن أسد بن المنذر الكازروني الفارسي بمكة، قال: حدثنا إسحاق بن إبراهيم الدبري عن عبدالرزاق رحمه الله۔"(۲۴)

یہاں ابن خیر کا اصل مقصود جامع معمر بن راشد کے سلسلے میں اپنی سند کا بیان کرنا ہے لیکن انھوں نے جملۂ معترضہ کے طور پر "المضاف الی مصنف عبدالرزاق" کہہ کر یہ بتادیا ہے کہ یہی جامع معمر، مصنف عبدالرزاق کا ضمیمہ بھی ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ یہاں ابن خیر نے جامع معمر کے سلسلے میں اپنی جو سند بیان کی ہے وہ ان کے استاد حکم بن حکم کے بعد بعینہٖ وہی ہے جو

جامع معمر بن راشد کے نسخۂ انقرہ میں مذکور ہے اور گذشتہ صفحات میں نقل کی جاچکی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جامع عبدالرزاق اور جامع معمر اصالتاً دونوں ایک ہیں لیکن نسبت کے لحاظ سے اپنا الگ الگ وجود بھی رکھتی ہیں۔ یہ حقیقت ابن عبدالبر مالکی اور حافظ ابن حجر عسقلانی پر بھی منکشف تھی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ابن عبدالبر کبھی صرف جامع معمر کا حوالہ دیتے ہیں:

مثلاً ایک جگہ کہتے ہیں: "وذکر معمر فی جامعه عن الزهری قال ماعلمنا أحدا أسلم قبل زید بن حارثة۔" (الاستیعاب ۲/۵۴۶)۔(۲۵)

اور کبھی جامع عبدالرزاق کا حوالہ دیتے ہیں:

مثلاً کہتے ہیں: "وذکر عبدالرزاق عن معمر فی جامعه عن قتادة عن الحسن وغیرہ قالو أول من اسلم بعد خدیجة علی ابن أبی طالب رضی الله عنه۔" (الاستیعاب ۳/۱۰۲۱)(۲۶)

حالانکہ یہ دونوں روایتیں جامع معمر اور جامع عبدالرزاق میں یکساں طور پر موجود ہیں۔

اسی طرح حافظ ابن حجر بھی ایک ہی روایت کے لیے دونوں کا الگ الگ حوالہ دیتے ہیں مثلاً کہتے ہیں:

"وهکذا [یعنی موقوفا] رویناہ فی جامع معمر عن أبی اسحاق، و کذا رواہ عبدالرزاق فی مصنفه عن معمر۔"(۲۷)

مزید برآں حافظ ابن حجر المعجم المفهرس میں ان دونوں کتابوں کی سندیں بھی الگ الگ بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ اولا جامع عبدالرزاق کی سند بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الجامع لعبدالرزاق: أخبرنا بالجزء الأول منه أبو محمد عبدالله بن محمد ابن محمد بن سلیمان المکی شفاها عن الإمام أبی أحمد ابراهیم بن محمد بن أبی بکر الطبری، انبأنا أبو الحسن علی ابن هبة الله بن سلامة، قال قرئی علی شهدة وأنا أسمع، انبأنا الحسین بن احمد بن طلحة، أنبأنا أبو الحسین علی بن محمد بن عبدالله بن بشران، انبأنا اسماعیل بن محمد بن اسماعیل الصفار، أنبانا احمد بن منصور الرمادی، انبأنا

عبدالرزاق به وآخره حديث النهي عن قتل الحيّات۔"(۲۸)

اس کے فوراً بعد جامع معمر کی سند اس طرح بیان کرتے ہیں:

"كتاب الجامع لمعمر بن راشد، ويترجم أيضا بالمسند المستخرج من جامع معمر أخبرني بالجزء الأول منه عبدالله بن عمر بن علي الأزهري فيما قرأت عليه عن أبي الحسن علي بن الحرّ عمر المقدسمي وزينب بنت الكمال بسماع الأول من أبي العباس أحمد بن أبي الخير وباجازة زينب من يوسف بن خليل، قالا أنبانا مسعود الجمال قال يوسف سماعا والآخر اجازة۔"

یہی راے عصر حاضر کے نامور محقق فواد سزگین کی بھی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"الجامع......وقد روى هذا الكتاب تلميذه عبدالرزاق، فاضاف اليه أحاديث أخرى، وجعل الكتاب ملحقا بكتابه (المصنف)۔"(۳۹)

اس بحث کے آخر میں مولانا حبیب الرحمن الاعظمی کے ایک خط موسوم بہ پروفیسر عبدالرحمن مومن مورخہ ۱۲ ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ (مطابق ۲۲ ر اگست ۱۹۸۲ء) کا اقتباس نقل کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کا فرمانا کہ مصنف عبدالرزاق کی آخری جلد دراصل مسند معمر ہے جو مصنف کے ساتھ خلط ملط ہوگئی ہے، ایک غیر محتاط قول ہے۔ اگر جامع معمر کا مکمل نسخہ سامنے ہو اور اس کی اور جامع عبدالرزاق کی ترتیب وکمیت احادیث میں کوئی فرق نہ ہو تو یہ کہنا تو صحیح ہے کہ عبدالرزاق نے جامع معمر کو اپنا لیا ہے، لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ خلط ملط ہوگئی ہے۔''(۳۱)

چونکہ مولانا اعظمی کے سامنے جامع معمر بن راشد کا کوئی نسخہ موجود نہ تھا اس لیے انھوں نے یہ بات مشروط طور پر فرمائی تھی۔ اب جب کہ مقابلہ وموازنہ کے ذریعے جامع معمر اور جامع

عبدالرزاق کا ترتیب اور کمیت احادیث میں یکساں ہونا ثابت ہوگیا تو خود مولانا کے الفاظ میں یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ عبدالرزاق نے جامع معمر کو اپنا لیا ہے۔ لیکن یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ مصنف عبدالرزاق میں کوئی خلط ملط واقع ہوگیا ہے اور اس کے مرتب کو انتباہ نہ ہوا۔

اب یہاں ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب کے ایک مراسلے کا حوالہ دینا بھی ضروری ہے جو پیرس سے ۲۱ جمادی الآخر ۱۴۰۴ھ (مطابق ۲۱ مارچ ۱۹۸۴ء) کو لکھا گیا اور الرشاد کے شمارہ مئی جون ۱۹۸۴ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ اس مراسلے کے دوسرے پیراگراف میں لکھتے ہیں:

> ''کسی اور کی کتاب کو من وعن اپنی کتاب میں شامل کر دینا اوروں نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ عبدالرزاق کے شاگرد امام احمد بن حنبل کی مسند میں عبدالرزاق کے دادا استاد (معمر کے استاد) ہمام بن منبہ کا صحیفہ بھی من وعن نقل ہوگیا ہے۔ (دیکھو مسند احمد میں مسند ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) وہی صحیفۂ ہمام بعد میں ابن کثیر کی جامع المسانید (مخطوطۂ مصر) میں بھی من وعن نقل ہوا ہے۔ فرق ہے تو وہی جو ایک ہی کتاب کے دو مخطوطوں میں ہوتا ہے۔ لیکن میں یہاں تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ عرض کرنا صرف یہ ہے کہ عبدالرزاق نے جامع معمر کو نقل کیا تو یہ انوکھی چیز نہیں۔'' (۳۲)

اس اقتباس کو نقل کرکے اس طرف توجہ دلانا مطلوب ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے ابتدا میں یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ کتاب الجامع کی مصنف عبدالرزاق کے ساتھ اشاعت مرتب کی غلطی سے ہوگئی ہے یا یہ کہ جامع معمر، مصنَّف کے ساتھ خلط ملط ہوگئی ہے۔ لیکن اس مراسلے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعد میں انھوں نے یہ مان لیا تھا کہ عبدالرزاق نے جامع معمر کو اپنی مصنَّف میں من وعن نقل کرلیا ہے۔ تو اس صورت میں مولانا اعظمی کے ساتھ ان کا اختلاف بھی بڑی حد تک رفع ہوجاتا ہے۔ اس لیے کہ جس طرح صحیفۂ ہمام بن منبہ ایک طرف مسند احمد اور جامع المسانید کا جزو بھی ہے اور دوسری جانب مستقل صحیفہ بھی ہے اور دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جامع عبدالرزاق، مُصنَّف کا جزو بھی ہے اور جامع معمر کی شکل میں ایک مستقل تصنیف بھی ہے۔

حواشی

(۱)صحیفۂ ہمام بن منبہ، مکتبہ نشاۃ ثانیہ، معظم جاہی مارکٹ، حیدرآباد دکن، طبع چہارم، بعد نظر ثانی ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۶ء، ص ۵۶۔(۲، ۳)ان دونوں حوالوں کی فراہمی کے لیے پروفیسر عبدالرحمن مومن کا ممنون ہوں۔(۴)الاستیعاب فی معرفة الأصحاب لابن عبدالبر المالکی، ۱۰۹۴/۳(۵)اس استدلال کا ذکر ڈاکٹر مسعود احمد الاعظمی نے 'حیات ابوالمآثر' جلد ثانی، ص ۶۲۷-۶۲۸ پر کیا ہے۔اس کے علاوہ دارالتاصیل، مصر سے شائع شدہ مصنف عبدالرزاق کے 'المقدمة العلمیة' میں بھی اس کا ذکر کیا گیا ہے۔(۶)فتح الباری شرح صحیح البخاری احمد بن علی بن حجر العسقلانی، الجزء الاول، دار الکتب العلمیہ، بیروت، الطبعة الثانیة، ۱۹۹۷م، ص ۱۱۲۔(۷، ۸) یہ دونوں دلائل مولانا اعظمی نے البعث الاسلامی کے مضمون کے اختتام پر اشاعت کے بعد اپنے قلم سے تحریر فرمائے تھے۔(۹، ۱۰) یہ دونوں مستدلات ڈاکٹر مسعود احمد الاعظمی کے فراہم کردہ ہیں۔(حیات ابوالمآثر، جلد ثانی، ص ۶۲۶-۶۲۷)۔(۱۱، ۱۲) یہ دونوں دلائل مولانا اعظمی کے ذکر فرمودہ ہیں۔(۱۳)صحیفۂ ہمام بن منبہ، (اردو ترجمہ) حیدرآباد، طبع چہارم، ۱۹۵۶ء، ص ۵۵۔(۱۴)الرشاد، اعظم گڑھ، شمارہ جون، جولائی ۱۹۸۳ء، ص ۲۶۔(۱۵)اس عکس کی فراہمی کے لیے ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی کا مشکور ہوں۔(۱۶)اس عکس کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ ۱۔(۱۷)ان صفحات کے عکس کے لیے بھی ملاحظہ ہو ضمیمہ ۱۔(۱۸)ان کی نقول کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ ۱۔(۱۹)ان دونوں مقالات کی تلاش اور فراہمی کے لیے عزیز گرامی قدر ڈاکٹر محمد ثاقب کا بے حد ممنون ہوں۔(۲۰)ان ابواب کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ ۲۔(۲۱)ان ابواب کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ ۳۔(۲۲)ان ابواب کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ ۴۔(۲۳)تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ ۵۔(۲۴) فہرسة ابن خیر الاشبیلی، تحقیق بشار عواد معروف، محمود بشار عواد، ص ۱۶۹۔(۲۵)الاستیعاب فی معرفة الأصحاب، ابن عبدالبر، تحقیق علی محمد البجاوی، ص ۵۴۶/۲۔(۲۶) ایضاً، ص ۱۰۹۴/۳۔ (۲۷)فتح الباری ۱۱۲/۱۔(۲۸)المعجم المفھرس، ابن حجر العسقلانی، تحقیق محمد شکور المیادینی، ص ۸۸۔(۲۹)ایضاً۔(۳۰)تاریخ التراث العربی، الدکتور فواد سزکین، المجلد الأول الجزء الثانی، ص ۹۳۔(۳۱)''مکاتیب ابوالمآثر مولانا حبیب الرحمن الاعظمی بنام عبدالرحمن مومن'' پروفیسر عبدالرحمن مومن، المآثر، مئو، شمارہ اپریل۔جون ۱۹۹۴ء، ص ۳۸-۳۹۔(۳۲)الرشاد، اعظم گڑھ، شمارہ مئی جون ۱۹۸۴ء، ص ۵۹۔

ضمیمہ ۱۔

(الف) نسخۂ فیض اللہ آفندی کے سرورق اور اس کے بعد کے صفحے کا عکس:
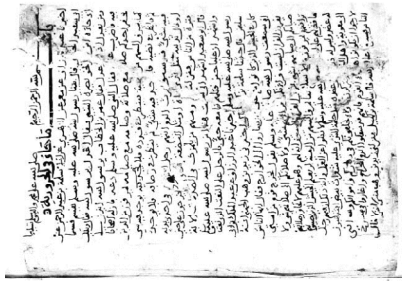
(ب) نسخۂ انقرہ کے چند صفحات کا عکس:

المبحث الثاني : نماذج مصورة من نسخ الكتاب

[١].نسخة طليطلة – الاندلس

أخر الجزء الثاني من جامع معمر بن راشد نسخة طليطلة – الاندلس

أول الجزء الثاني من جامع معمر بن راشد نسخة طليطلة – الاندلس
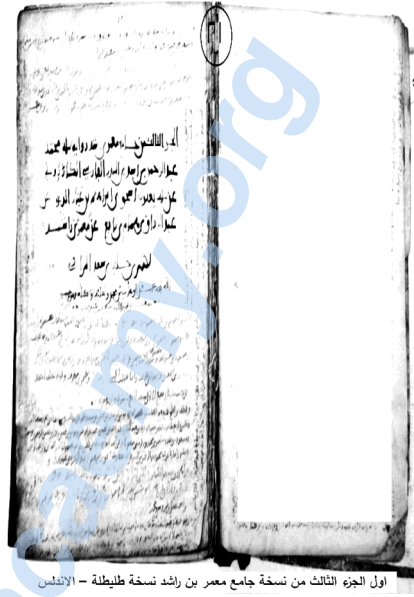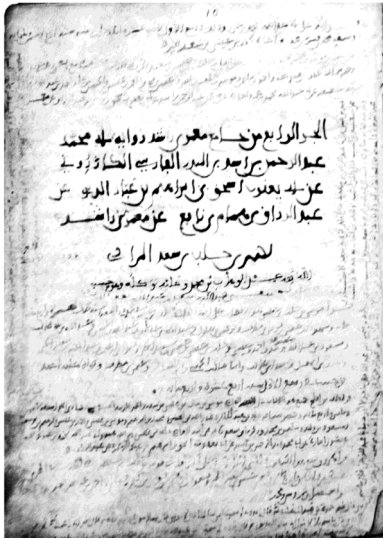
(ج) نسخۂ انقرہ کے جزء رابع کے اختتام اور جزء خامس وسادس کے آغاز کی تحریریں

تَمَّ الجُزْءِ الرَّابِعُ، بِحَمْد الله، وعَوْنه، وَبِكَرَمِه؛ مِنْ جَامِعِ مَعْمَر، وذلك في صَفَر سَنَة أربعٍ وَستين وثلاثِ مِئة، يَتْلُوه في أوَّلِ الخَامِس: مَعْمَر عَنِ الزُّهْرِي عَنْ إبراهِيم عَنْ عَبْد الله بنِ حُنَيْن.

قرأتُ جَميعَهُ على أبي عَبْد الله مُحَمَّد بن عَمْرو، وذلك لاثنتيَ عشرة لَيْلَةً خَلَتْ من رَبِيْع الأوَّل سَنَةَ أربعٍ وَستين وثلاث مِئة، وذلكَ بَعْد صَلَاةِ العِشَاء، فَصَحَّ جَميعُه. وسَمِعَه مُحَمَّد بن صبرة بن علم، ومُحَمَّد بن سَهْل سَمِعَهُ جَمِيعه، وَسَعِيْد بن مُحَمَّد في التَّارِيخِ نفسه.

قَرَأْتُه علَى أبي عَبْد الله مُحَمَّد بن عَمْرو، وَذَلك في رَبِيع الأَوَّل لإِحْدَى عشرة لَيْلَةً خَلَتْ منه سَنَة أربعٍ وستين وثلاثِ مِئة، وَسَمعه مُحَمَّد بن صبرة بن علم، وَسَمِعه عَمْرو بن مُحَمَّد، وسَعِيد بن مُحَمَّد، ومُحَمَّد بن سَهْل إجازةَ خَلَف بن عيسى بن سَعِيد الخَيْر.

قَرَأَ عيسى بن مُوسَى بن عيسى جَمِيع هذا الكِتَاب علَى العَلَّامة خَلَف بن عيسى بن سَعيد الخَيْر رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، في صَفَر سَنَةَ سبعٍ وتسعين وثلاثِ مِئة.

وحَضَر سَمَاعَه خَلَف بن عَبْد الله، وأحْمَد بن سُلَيْمَان، والعمر بن عيسى، ومُوسَى، وخَلَف بن عيسى، وعيسى بن رَبِيع، ومُحَمَّد بن عَبْد المَوْلى، وَسُلَيْمان بن عَبْد الله. قرأتُه علَى أبي عَبْد الله مُحَمَّد بن عَمْرو بن عَيْشُون إجَازةً، حَدَّثَنَا أبو مُحَمَّد عَبْد الرَّحْمَن بن أسَد عن أبي يَعْقُوب إسْحَاق بن إبرَاهيم، عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاق بنِ هَمَّام عَنْ مَعْمَر بنِ رَاشدٍ رَحِمَهُمُ الله.

الجُزْءُ الخَامِس مِنْ جَامِعِ مَعْمَر بنِ رَاشد رِوَايةَ: أبي مُحَمَّد عَبْدالرَّحْمن بن أَسَد الفَارسي الكَازَرُوني، عَنْ أَبي يَعْقُوب إسْحَاق بن ابراهِيْم بن عَبَّاد الدَّبَري، عَنْ عَبْد الرَّزَّاق بن هَمَّام بن نَافِع، عَنْ مَعْمَر بنِ رَاشِدٍ.

اللهُ وَفَّقَ عَبْد الوَهَّاب بن مُحَمَّد، وَعَلَيه تَوَكله وهوَ حَسْبه. وَمُشَارِكة يُوسف بن عبدالله بن سَعِيْد بن عبد الله، نَفَعَ اللهُ بِه.

كَتَبَهُ: بَشِيْر بن خَلَف بن سَعْد المُرَادي.

أَنْشَد أبو عبد الله مُحَمَّد بن عَمْرو، قال: أَنْشَد بَعْضُ أصحَابنا في مَجْلِس ابن الأَعْرَابيَ رحمهُ اللهُ:

إِذَا القُوتُ تَأْتِي لَكَ وَالصِّحَّةُ وَالأَمْنُ   فَأَصْبَحْتَ أَخَا حزن فلا فارقك الحُزْنُ[1].

وقوله صلى الله عليه وسلم: مَنْ أَصْبَح آمِنًا في سِرْبِه، مُعَافىً فِي بَدَنه، عِنْده قُوتُ يَوْمه، فَكَأَنَّمَا حِيْزَت لهُ الدُّنْيَا بِحَذَافيرهَا[2].

بسم الله الرحمن الرحيم

—قلت: والمطبوعُ من جَامِع مَعْمَر بن رَاشد وهو ملحقٌ بالمُصَنَّف "ع"، بتحقيق: المُحَدِّث الشَّيخ حبيب الرحمن الأَعْظَمي رحمه الله، (11\77): "...رأيتُ خمسة..." وعدَّ ستًا، وهذا أحدُ الأدلَةِ الَّتي تُضَاف إلى أنَّه لم يطَّلع على هذه النُّسْخة، واللهُ أعْلم.

[1] هذا البيتُ لمنصور بن إسماعيل بن عيسى بن عمر التيمي الفقيه، وكان يتفقَّه على مذهب الإمام الشَّافعي رضيَ اللهُ عنه. الحُصري، أبو إسحاق إبراهيم بن علي بن تميم الأنصاريّ القيرواني، **زَهرُ الآدابِ وَثَمرُ الألبَاب**، بيروت، دار الجيل، (د.ط)، (د.ت)، (3\ 883، 884). وقال صاحبُ الكتاب: ورأيتُ له فى أكثرِ النُّسَخ– على أنّ أكثر النّاس يرويه لإبراهيم بن المهدى، وهو الصحيح. وورد أيضًا عند مُرْتَضَى الزَّبِيْدي، أبو الفَيْض مُحَمَّد بن مُحَمَّد بن عبد الرَّزَّاق الحسيني، **تَخْرِيجُ أحَاديث إحْيَاء عُلُوم الدِّيْن**، الرياض، دار العاصمة، ط1، 1408هـ – 1987م، (4\ 1803). قلت: هذا ما تيسَّر لي من مرجع لهذا البيت، وقد بذلتُ ما بوسعي في سبيل قراءته، وعزوه لمصدرٍ أو حتى مرجعٍ فلم أستطع الوقوف على شيء من ذلك، إلى أنْ أرشدني مشكورًا الصّديق الأستاذ حَازم أبو حمّاد إلى الكِتاب الّذي ذكر فيه، واللهُ المُوَفق.

[2] هذا الحديثُ ليس من أصل الجَامِع وإنما هو من سَمَاعات بداية الجُزء الخَامِس، أخرجه الترمذي، في **سُنَن الترمذِي**، أبوابُ الزُّهد، بابٌ، الحديث: 2346، (4\152)، –قال الترمذيُّ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غرِيبٌ، وابن ماجَه، في سُنَن **ابن ماجَه**، أبوابُ الزُّهد، بابُ القناعَة، الحديث: 4141، (5\253). كلاهما من طُرُقٍ عن سَلَمةٌ بنِ عُبَيْد الله بنِ مِحْصَنٍ الخَطْمِيِّ، عَن أبِيه. وهذا الحَديث والسَّماعات ممَّا تفردت به النُّسْخة "الأَصل" عن بقيّة النُّسَخ المخطوطة والمطبوعة، وفي ذلك إثباتٌ ماديٌ بِصِحة نسبة الجَامِع لمَعْمَر بن راشد، واللهُ أعلم.

الجُزْءُ السَّادِس مِنْ جَامِعِ مَعْمَر بن رَاشِد، روايةَ أبي مُحَمَّد؛ عَبْدِ الرَّحْمَن بن أسَد الفَارِسِي الكَازَرُوني، عن أبي يَعْقُوب إسْحَاق بن إبْرَاهيم بن عَبَّاد الدَّبَري، عن عَبْدِ الرَّزَّاق بن هَمَّام بن نَافِع الصَّنْعَانِي.

كَتَبَهُ: بَشِيْر بن خَلَف بن سَعْد المُرَاديّ.

اللهُ وَفَّقَ عَبْد الوَّهَاب بن مُحَمَّد، وعَلَيْه تَوكله. بَذَلْتُ مَا بِوَسْعي حَتَّى عَبْدَ الله بن سَعِيْد بن عَبْد الله نفعه الله به.

قَرَأَ مُوسَى عَلَى أبيه العَلَّامَةُ خَلَف بن عِيسى في الجَامِع، وَسَمِعَهُ مُوسَى بنُ خَلَف في ذي القَعْدة سَنَةَ ثَلاث وعشرة وأربع مِئة. وَسَمَع سَنَده عِيسى بن مُوسَى بن عِيسى بن سَعيد الخَيْر، ومَسْعُود ابن عبد الله، وأحمد بن عِيسى بن عبد الله عِيسى، وَسَعيد بن غَالب، ومُحَمَّد بن أسعَد، وأسَد بن خَالد، وَمَسْعُود بن إبراهيم، وسُلَيْمان بن عبد الله، وعُمَر بن مطرف، ويُوسف بن مطرف، عن أبي عبد الله، ومُحَمَّد بن أحْمَد، وعِيسى بن خَلَف بن عِيسى، وَقَرَأَهُ عَلَيْه أحْمَد بن حَبِيب في ربيع الأول سنة أربع عشرة وأربع مِئة

وَخَلف بن أَفْلَح جَمِيع هذا الكِتَاب في شَهْر جَمَادى الآخرة؛ سَنَةَ تسعة وثلاثين وثلاث مِئة. وسند سَمَاعه مُوسَى بن عيسى، وَأَحْمَد بن عيسى وزَكَريا بن سدر، وإبراهَيْم بن يُوسف، ومُحَمَّد بن مَعْرُوف، وَمُحَمَّد بن إبراهيم القُرْطُبيّ، وسُلَيْمَان بن الميرفي، وأبو بكر بن عبد الله.

قَرَأَ هَارون بن مُوسَى هذا الكِتَاب على ابن العَلَّامة مُوسَى بن خَلَف رَضِيَ اللهُ عَنْهُ في المُحَرَّم سنةَ خَمْسة وأربعين وأربع مئة[1].

[1] هذا ممّا تفردت به النُّسْخة "الأَصل" عن بقيّة النُّسَخ المخطوطة والمطبوعة، وفي ذلك إثباتٌ ماديّ بصحة نسبة الجَامع لمَعْمَر بن راشد، واللهُ أعلم.

ضمیمہ۲۔

جامع معمر (جزء اول وثانی کے درج ذیل ۴۹ ابواب نسخۂ انقرہ میں ضائع ہو گئے ہیں:

۱۔باب:[وجوب الاستیذان]۔۲۔باب:[الاستیذان ثلاثاً]۔۳۔باب:[الاستیذان بعد السلام]۔ ۴۔باب:[الرجل یطلع فی بیت الرجل]۔۵۔باب:[کیف السلام و الردُّ]۔۶۔باب:[افشاء السلام]۔ ۷۔باب:[سلام القلیل علی الکثیر]۔۸۔باب:[تسلیم الرجل علی أهله]۔۹۔باب:[التسلیم علی النساء]۔۱۰۔باب:[التسلیم اذا خرج من بیت]۔۱۱۔باب:[انتهاء السلام]۔۱۲۔باب:[السلام علی الأمراء]،۱۳۔باب:[السلام علی أهل الشرك والدعاء لهم]۔۱۴۔باب:[رسالة السلام]۔ ۱۵۔باب:[الخاتم]۔۱۶۔[باب:[مایکره من الخواتیم]۔۱۷۔باب:[القول اذا رکبت]۔۱۸۔باب: [رکوب الثلاثة علی الدابة]۔۱۹۔باب:[التماثیل وماجاء فیه]۔۲۰۔باب:[کم الشهر؟]۔۲۱۔باب: [الطِّیَرَةِ]۔ ۲۲۔باب:[المجذوم والعدوی]۔۲۳۔باب:[المجذوم]۔۲۴۔باب:[الطیرةِ أیضاً]۲۵۔باب: [الکی]۔۲۶۔باب:[الغیرة]۔۲۷۔باب:[الشؤمِ]۔۲۸۔[باب:[اللَّعنِ]۔۲۹۔باب:[المیتَةِ]۔۳۰۔باب:[أکل الشبعِ فوق الشّبع]۔۳۱۔باب:الأکل بیمینه، والأکل وشِماله فی الأرضِ]۔۳۲۔باب:[الأکل من بین یدیه]۔۳۳۔باب:[الکِبرِ]۔۳۴۔باب:[الاکل متکئاً]۔۳۵۔باب:[لعق الاصابع]۔۳۶۔باب:[طعام الواحد یکفی للاثنین]۔۳۷۔باب:[المؤمن یأکل فی مِعیٍ واحدٍ]۔۳۸۔باب:[اسم الله علی الطعام]۔ ۳۹۔باب:[القزع]۔ ۴۰۔باب:[الخادم]۔۴۱۔باب: [الرجل یقرن، أو یأکل وهو قائم، أو ماشٍ]۔ ۴۲۔باب:[النفخ فی الطعام]۔۴۳۔باب:[الزیت]۔۴۴۔باب:[الخل]۔۴۵۔باب:[الثرید]۔۴۶۔باب:[شکر الطعام۔۴۷۔باب:[یرب الأیمن فالأیمن]۔۴۸۔باب:[أیُّ الشراب أطیب]۔۴۹۔باب:النفس فی الأناءِ]۔

ضمیمہ۳۔

جامع معمر (جزء ثالث) کے درج ذیل ۱۴/ابواب نسخۂ انقرہ میں ضائع ہو گئے ہیں:

(۷۹)باب:تاب من قتل نفسه ، ومن قتل نفساً۔ (۸۷) باب:سرقة الارض۔ (۸۸) باب: قطع السدر (۸۹) باب:المعادن۔ (۹۰)باب:النشر وماجاء فیه(۹۱)باب: الرقی والعین والنفث۔ (۹۲) باب:مجالس الطریق۔ (۹۳) باب: المجالس بالامانة(۹۴)باب:الرجل احق بالمجلس (۹۵)باب: کفارة المجلس۔ (۹۶)باب:الجلوس فی الظل والشمس۔ (۱۰۴)باب: القول :حین یمسی، وحین

یصبح (۱۰۵) باب: الطهور۔ (۱۰۶) باب: ذکر الله فی المضاجع۔

ضمیمہ ۴۔

موسیٰ احمد ابراہیم خلایلہ نے جامع معمر کے جن ۶۸ ابواب پر مشتمل احادیث کی تحقیق وتخریج کی ہے۔ان ابواب کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) من نام حتی یُصبح، (۲) باب: فی الأسماء والکُنی، (۳) باب اسم النبی ﷺ و کُنیته، (۴) بابُ لا تقل ربی، ولا رَبَّتی، (۵) بابُ ما یتقی من الجن والقائلة، (۶) بابُ القبائل، (۷) بابُ فضائل قریش، (۸) باب فی [فضائل] الأنصار، (۹) باب فضائل قریش، والانصار، و ثقیف، (۱۰) باب قبائل العجم، (۱۱) باب الحریر، والدیباج، وآنیة الذهب والفضة، (۱۲) باب العلم فی الثوب، (۱۳) باب الخزَّ، والمعصفر، (۱۴) باب: شهرة الثیاب، (۱۵) باب إسبال الازار، (۱۶) باب التنعُّم والسَّمن، (۱۷) باب الریح والغیث، (۱۸) باب مایقال إذا سمع الرعد، (۱۹) باب إتباع البصر النجم، (۲۰) باب مسألة الناس، (۲۱) باب أصحاب الأموال، (۲۲) باب جوامع الکلام وغیره، (۲۳) باب الدیوان، (۲۴) باب: الصدقة، (۲۵) باب: النفقة فی سبیل الله، (۲۶) بابُ إحصاء الصدقة، (۲۷) وصیة عمر بن الخطاب، (۲۸) باب حدیث أهل الکتاب، (۲۹) باب فی القدر، (۳۰) باب الایمان والاسلام، (۳۱) باب برِّ الوالدین، (۳۲) باب عقوق الوالدین، (۳۳) باب من یوقِر [وماجاء فیه]، (۳۴) باب من مات له ولد، (۳۵) باب الحیاء والفحش، (۳۶) باب فی حسن الخلق، (۳۷) باب الوباء والطّاعون، (۳۸) باب ماوُصِف من الدّواء، (۳۹) بابُ الصباغ ونتُف الشیب، (۴۰) باب الأمانة، (۴۱) باب الکذب والصدق وخطبة ابن مسعود رحمه الله، (۴۲) باب خطبة الحاجة، (۴۳) باب تشقیق الکلام، (۴۴) باب الاستخارة، (۴۵) باب المشی فی النعل الواحد، (۴۶) بابُ وضع احدی الرجلین علی الأخری، (۴۷) باب المهاجرة [والحسد]، (۴۸) باب الظن، (۴۹) باب صلةِ الرحم، (۵۰) باب الفطرةِ والخِتانِ، (۵۱) باب الاغتیاب والشّتم، (۵۲) باب سِباب المُذنب، (۵۳) باب الحب والبغض، (۵۴) باب الذنوب، (۵۵) باب محقرات الذنوب، (۵۶) باب من یضحك الله الیه، (۵۷) باب من لا یُحبه الله، (۵۸) باب الغضب والغیظ، (۵۹) باب من دعا علیه النبی علیه السلام، (۶۰) بابُ أی الأعمال أفضل؟، (۶۱) باب المفروض من الأعمال والنوافل، (۶۲) باب المرض،

وما يصيب الرجل، (٦٣) باب: المرء مع من أحب، (٦٤) باب المتحابين في الله، (٦٥) باب في المجذوم، (٦٦،٦٧) باب ائتِ الى الناس ما تحب أن يؤتى اليك، (٦٨) باب القول عند رؤية الهلال۔

ضمیمہ ۵۔

کتاب الجامع اور جامع معمر کے وہ ابواب جن میں ۱۸ زیاداتِ عبدالرزاق یکساں ترتیب کے ساتھ مذکور ہیں:

باب الفطرة والختان، باب في حسن الخلق، باب من يؤقر، باب بر الوالدين، باب الايمان، باب الايمان والاسلام، باب في القدر، باب إسبال الازار، باب من نام حتى يصبح، باب في الأسماء والكنى، باب الخزّ والمعصفر، باب القبائل، باب الريح والغيث، باب الماشي في النعل، باب الغضب والغيظ۔

مراجع و مآخذ

کتابیں:

(١) الإستيعاب في معرفة الأصحاب، أبو عمر يوسف بن عبدالله ابن عبدالبر النمري القرطبي، تحقيق على محمد البجاوي، دار الجيل بيروت، ١٩٩٢م۔ (٢) الإصابة في تمييز الصحابة، أحمد بن على ابن حجر العسقلاني، الجزء الأول، مطبعة مصطفى محمد، مصر ١٩٣٩م۔ (٣) تاريخ التراث العربي، الدكتور فوادسزكين، المجلد الأول، الجزء الثاني، جامعة الامام محمد بن سعود الإسلامية، المملكة العربية السعودية۔ ١٩٩١م۔ (٤) جامع معمر بن راشد [القسم الأول من جامع معمر بن راشد، دراسة و تحقيق و تخريج من الجزء الأول الى نهاية الجزء الثالث، إعداد الطالب: طارق فايز نايف غوادرة، كلية الدراسات العليا، جامعة القدس، دولة فلسطين ٢٠١٨م۔ (٥) جامع معمر بن راشد، [دراسة و تحقيق و تخريج من أول باب من نام حتى يصبح الى آخر باب القول عند رؤية الهلال] اعداد الطالب: موسى أحمد ابراهيم خلايله، كلية الدراسات العليا جامعة القدس دولة فلسطين ٢٠١٨م۔ (۶) حیات ابوالمآثر، ڈاکٹر مسعود احمد الاعظمی، جلد ثانی، مرکز تحقیقات وخدماتِ علمیہ، مئو، طبع اول، ۲۰۱۱ء۔ (۷) ڈاکٹر محمد حمیداللہ: سیرت، کمالات اور افادات، پروفیسر عبدالرحمن مومن، فرید بک ڈپو، دہلی، سنہ ندارد۔ (۸) صحیفۂ ہمام بن منبہ، مرتبہ ڈاکٹر محمد حمیداللہ (اردو ترجمہ)، مکتبہ نشاۃ ثانیہ، حیدرآباد دکن، طبع

چہارم، بعد نظر ثانی، ۱۹۵۶ء۔ (۹) صحیفۂ، ہمام بن منبہ، مرتبہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ (انگریزی ترجمہ از پروفیسر رحیم الدین ریٹائرڈ پرنسپل، عثمانیہ کالج، وارنگل)، پبلی کیشن، آف سینٹر کلچرل اسلامک، پیرس، دسواں اضافہ شدہ، ایڈیشن، ۱۹۷۹ء۔ (۱۰) فتح الباری، شرح صحیح البخاری، احمد بن علی ابن حجر العسقلانی، الجزء الاول، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الثانیة ۱۹۹۷م۔ (۱۱) فهرسة ابن خیر الاشبیلی، تحقیق بشار عواد معروف، محمود بشار عواد، دار الغرب الإسلامی، تونس، الطبعة الأولی ۲۰۰۹م۔ (۱۲) المصنف لعبد الرزاق الصنعانی، تحقیق الشیخ المحدث حبیب الرحمن الأعظمی، الجزء العاشر، والجزء الحادی عشر، توزیع المکتب الاسلامی، الطبعة الثانیة ۱۹۸۳م۔ (۱۳) المصنف لعبد الرزاق الصنعانی، تحقیق أیمن نصر الدین الأزهری، المجلد الأول، والمجلد العاشر، الطبعة الثانیة، ۲۰۱۰م۔ (۱۴) المصنف لعبد الرزاق، تحقیق ودراسة مرکز البحوث وتقنیة المعلومات، المجلد الأول والمجلد الثامن، والمجلد التاسع دار التاصیل مصر، الطبعة الأولی ۲۰۱۵م۔ (۱۵) المصنف لعبد الرزاق (عکس قلمی نسخه) محفوظه مکتبه فیض الله آفندی (۵۴۱) استانبول، ترکی۔ (۱۶) المعجم المفهرس أو تجرید أسانید الکتب المشهورة والأجزاء المنثورة، احمد بن علی ابن حجر العسقلانی، تحقیق محمد شکور المیادینی مؤسسة الرسالة بیروت، الطبعة الأولی ۱۹۹۸م۔

رسائل (اردو):

(۱) الرشاد (ماہ نامہ) اعظم گڑھ، جنوری فروری، ۱۹۸۲ء (اداریہ مولانا مجیب اللہ ندوی)۔ (۲) الرشاد (ماہ نامہ) اعظم گڑھ، اپریل ۱۹۸۳ء، (مکتوب ڈاکٹر محمد حمید اللہ)۔ (۳) الرشاد (ماہ نامہ) اعظم گڑھ، مئی ۱۹۸۳ء (مصنف عبدالرزاق کی کتاب الجامع یا جامع معمر از مولانا حبیب الرحمن الاعظمی)۔ (۴) الرشاد (ماہ نامہ) اعظم گڑھ، مئی جون ۱۹۸۴ء (معمر بن راشد کی کتاب الجامع اور عبدالرزاق بن ہمام کی کتاب المصنف کا باب کتاب الجامع از ڈاکٹر محمد حمید اللہ)۔ (۵) الفرقان (ماہ نامہ) لکھنؤ، جون جولائی ۱۹۸۳ء (مصنف عبدالرزاق کی کتاب الجامع یا جامع معمر از مولانا حبیب الرحمن الاعظمی)۔ (۶) فکر و نظر (ڈاکٹر محمد حمید اللہ خصوصی اشاعت) اسلام آباد، جلد ۴۰۔۴۱، شمارہ اپریل۔ستمبر ۲۰۰۳ء۔ (۷) المآثر (سہ ماہی) مئو، اپریل تا جون ۱۹۹۴ء (مکاتیب ابوالمآثر مولانا حبیب الرحمن الاعظمی بنام عبدالرحمن مومن از پروفیسر عبدالرحمن مومن)۔ (۸) معارف (ماہ نامہ) اعظم گڑھ، ستمبر ۲۰۰۶ء (مولانا الاعظمی کی تحقیق مصنف عبدالرزاق از ڈاکٹر محمد صہیب)۔ (۹) معارف (ماہ نامہ) اعظم گڑھ،

اکتوبر ۲۰۰۶ء (مصنف عبدالرزاق اور جامع معمر بن راشد از محمد الیاس الاعظمی)۔(۱۰) معارف (ماہ نامہ) اعظم گڑھ، جون ۲۰۰۷ء (جامع معمر یا جامع عبدالرزاق از مولانا مسعود احمد اعظمی)۔(۱۱) معارف (ماہ نامہ) اعظم گڑھ، جولائی ۲۰۰۷ء (جامع معمر یا جامع عبدالرزاق از محمد الیاس الاعظمی) نوٹ: منجانب مدیر معارف [مولانا ضیاء الدین اصلاحی]۔

(عربی):

(۱) مجلة البحوث الاسلامية۔ الرياض، العدد ۱۷ (عبدالرزاق بن همام الصنعانی، بقلم أحمد بن عبدالرحمن الصويان)۔ (۲) مجلة البعث الإسلامی، دار العلوم لندوة العلماء، لكناو، العدد ۱۰، المجلد ۲۹، رجب ۱۴۰۵ھ (كتاب الجامع لعبدالرزاق الصنعانی، بقلم المحدث الكبير الشيخ حبيب الرحمن الأعظمی) (۳) مجلة جامعة الشارقة للعلوم الشرعية والانسانية، المجلد ۲، العدد ۳، شعبان ۱۴۲۶ھ / اکتوبر ۲۰۰۵م (دراسة حديثية فی جامع معمر بن راشد بقلم سمير محمد عبيد نقد)

کلامِ کمال

مع تعارف و ترجمہ

ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی ☆

سرزمین سنبھل کی اہم ترین شخصیات میں ایک نادرِ روزگار شخصیت، سید محمد کمال سنبھلی واسطی کی ہے جو بیک وقت ایک صاحب دل صوفی، عالم دین، قادرالکلام شاعر اور صاحب طرز ادیب و محقق تھے۔ پیشہ کے اعتبار سے وہ جہانگیر اور شاہ جہاں بادشاہ کی فوج میں لشکری تھے۔

سید محمد کمال سنبھلی واسطی نسباً امروہہ کے معروف ترین بزرگ حضرت سید شرف الدین حسن شاہ ولایت کے واسطے سے امیرالمومنین سیدنا حضرت علیؓ کی اولادِ امجاد میں سے تھے۔

سید محمد کمال سنبھلی کے مورثِ اعلیٰ حضرت شاہ شرف الدین حسن شاہ ولایت، سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد حکومت (۷۲۱ھ تا ۷۲۵ھ) میں اپنے والد سید علی بزرگ اور ایک بڑی جماعت کے ساتھ ملتان کے راستہ سے ہندوستان تشریف لائے اور سرزمین امروہہ میں قیام فرمایا۔ انہوں نے امروہہ ہی میں ۷۳۹ھ/۱۳۳۰ کو وفات پائی۔ ان کا مزار مبارک زیارت گاہِ عوام و خواص ہے۔ ان سے بے شمار خرقِ عادت واقعات اور کرامات مشہور ہیں۔

حضرت شاہ شرف الدین حسن شاہ ولایت امروہہ کے پانچویں پوتے سید چاند بعض وجوہ کی بنا پر امروہہ کی سکونت چھوڑ کر قصبہ بھوج پور چلے گئے تھے۔ وہاں سے حضرت شیخ عمر شہ سنبھلی کے اصرار پر سنبھل تشریف لے گئے اور مستقل وہیں سکونت اختیار کی۔ شیخ عمر شہ سنبھلی نے اپنی بیٹی مسماۃ بی بی خدیجہ کو سید چاند کے بیٹے سید حامد کے نکاح میں دے دیا اور تحفتاً ایک حویلی، باغات اور دیگر جائیداد بی بی خدیجہ کو دیں۔ ان ہی سید حامد بن سید چاند کے پوتے سید لعل تھے۔ جو مادرزاد

☆ گھیر مناف، امروہہ (یو۔ پی) Mob: 9997161315, E-mail:drmisbahamr@rediffmail.com

ولی، شریعت وطریقت کے جامع اور تقویٰ شعار بزرگ تھے۔ ۹۷۶ھ جنوری ۱۵۶۹ء میں ان کی ولادت ہوئی، تعلیم سے فراغت کے بعد مرتضٰی خاں و شیخ سلیم خواہرزادہ مرتضٰی خاں کی فوج میں ملازمت اختیار کی۔ بعد میں سید بھوہ بخاری کی فوج میں لشکری کے عہدے پر رہے اور ۶۳ برس کی عمر میں ۱۲/رجب ۱۰۳۹ھ، ۱۸/فروری ۱۶۲۰ء کو شجاعت حیدری کی یاد تازہ کرتے ہوئے کشمیر کے علاقہ خوشاب میں جامِ شہادت نوش کیا، وہیں تدفین ہوئی۔ آپ کا مزار پختہ بنا ہوا ہے اور زیارت گاہِ خلائق ہے۔ اس بارے میں سید محمد کمال سنبھلی لکھتے ہیں:

> ''ترجمہ: میں ۱۰۵۱ھ (۱۶۴۱) کو سفر قندھار کے دوران اپنے والد (سید لعل) کی قبر پر گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہاں کے لوگوں نے اپنے عقیدے کے مطابق ان کی قبر کو پتھروں سے آراستہ کر رکھا ہے اور جمعرات و جمعہ کی شب کو اس چہار دیواری پر چراغاں کرتے ہیں اور زیارت کرتے ہیں اور مرادیں مانتے ہیں۔''

ان ہی سید لعل کے فرزند تھے سید محمد کمال سنبھلی واسطی۔ سید محمد کمال کی ولادت ۲/ربیع الاوّل ۱۰۱۱ھ/ ۱۹/اگست ۱۶۰۲ء میں بعہد جلال الدین محمد اکبر بادشاہ ہند، محلہ چودھری سرائے سنبھل میں ہوئی۔ ''اعظم'' مادہ تاریخ ولادت ہے۔ دہلی اور سنبھل میں مختلف اساتذہ کرام سے عربی فارسی درسیات کی تکمیل کی اور دیگر فنونِ لطیفہ میں خداداد صلاحیت کے تحت اعلیٰ درجہ کی مہارت پیدا کی۔ اگرچہ فن سپاہ گری ان کا پیشہ اور شاعری ونثر نگاری ان کا ذوق تھا مگر وہ بنیادی طور پر ایک صوفی صافی بزرگ تھے۔

سید محمد کمال سنبھلی واسطی سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ عبداللہ معروف بہ خواجہ خرد ابن حضرت خواجہ محمد باقی باللہ معروف بہ خواجہ بیرنگ کے عقیدت مند اور مرید وخلیفہ تھے۔ وہ پندرہ برس کی عمر یعنی ۱۰۲۶ھ/ ۱۶۱۷ میں اپنے شیخ خواجہ محمد عبداللہ خرد سے مسجد فیروزی میں ملے اور ان کے پیچھے عصر کی نماز ادا کی اس وقت خواجہ خرد سولہ برس کے تھے اور سید محمد کمال سنبھلی سے آٹھ مہینے چار دن بڑے تھے، سید محمد کمال سنبھلی کہتے ہیں کہ انھوں نے مجھ سے کہا تمہارا کیا نام ہے؟ اور تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے حقیقت حال بیان کی۔ پھر انھوں نے دل کھینچ لینے والی ایک نظر مجھ پر ڈالی اور مجھے اپنا دیوانہ بنا لیا اور اپنی محبت کے دریا میں اچھی طرح قید کر لیا۔ اس کے

بعد انھیں دور و نزدیک سے دیکھتا تو ان کے جمال وکمال پر فریفتہ ہوجاتا اور خود سے بے گانہ ہوجاتا۔ اپنے اس حال پر میں نے ایک رباعی کہی ہے:

زاں روز کہ در کوے تو بشتافتہ ام روے خود را ز غیر بر تافتہ ام
عشاق جہاں بصورت قانع و بس من صورت و معنی بتو دریافتہ ام

''ایک دن کہ میں تیری گلی میں دوڑا ہوا آیا تھا اور اپنے چہرے کو میں نے غیر سے پھیر لیا تھا، دنیا کے تمام عشاق، ایک صورت پر قانع ہیں اور بس، میں تیری صورت اور اصل جاننا چاہتا ہوں''۔

پیر و مرید دونوں ایک دوسرے سے محبت وعقیدت رکھتے تھے۔ خواجہ خرد اپنے مکتوبات میں بڑی عزت واحترام سے مرید کا نام لیتے ہیں۔ چند مکتوبات کے القاب ملاحظہ ہوں:

۱۔ درخدمت اخوی سید کمال از مخلص خود سلام وتحیہ قبول نماید۔ ۲۔ برادر با جان برابر
۳۔ سیدنا مولانا سید کمال۔ ۴۔ اخوی اعزی حبیبی سید کمال۔

خواجہ عبداللہ خرد نے ۱۰۷۴ / ۱۵ر دسمبر ۱۶۶۳ء کو وفات پائی۔ ان کا مزار دہلی میں ان کے والد گرامی رضی الدین خواجہ محمد باقی باللہ معروف بہ خواجہ بیرنگ کے آستانہ میں ہے۔ اپنے پیر و مرشد کی وفات پر سید محمد کمال سنبھلی نے ایک طویل مرثیہ بھی لکھا تھا جو ابھی تک دستیاب نہیں ہوسکا البتہ یہ مصرعۂ تاریخ اسراریہ میں ملتا ہے:

''خواجۂ ما عارف باللہ شیخ محی الدین بود'' ۱۰۷۴ھ

سید محمد کمال کا ذریعۂ معاش والد کی طرح مغل فوج میں لشکری کا تھا، جہاں گیر اور شاہجہاں کی فوج میں ملازمت کے دوران مختلف مقامات پر رہے۔ ان کی وفات کب ہوئی؟ اس کی ابھی تک کوئی صحیح تحقیق نہ ہوسکی البتہ ان کا مزار چودھری سرائے سنبھل کے قبرستان میں ہے۔ سید محمد کمال کے چار فرزند تھے سید محمد کاظم، سید اعظم، وحیدالدین سید ابوالمعالی، سید عبدالوالی۔

سید محمد کمال، کی ''اسرار کشف صوفیہ'' کے علاوہ کوئی تصنیف تا این دم دستیاب نہیں ہوسکی ہے۔ ''اسراریہ کشف صوفیہ'' میں انہوں نے اپنی ایک اور ضخیم تصنیف ''سفرِ وطن'' کا حوالہ دیا ہے جس میں انہوں نے اپنے اسفار کی تفصیلات میں عجائبات اور ان بزرگوں کے حالات بڑی تفصیل

سے لکھے ہیں۔ان کی یہ تصنیف ''اسرار یہ'' کے مقابلے خاصی ضخیم معلوم ہوتی ہے جب کہ ''اسرار یہ کشفِ صوفیہ'' بھی فل اسکیپ سائز کے چھ سو اوراق پر مشتمل تھی۔ اس کو ۲۰۱۳ء میں راقم الحروف نے فارسی میں تدوین وترتیب کے بعد رضا لائبریری رام پور سے شائع کرایا۔ اس کا اردو ترجمہ ۲۰۱۶ء میں ہندوستان کے مقتدر ادارے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی نے شائع کر دیا۔

سید محمد کمال کی دوسری تصنیف ''جمع الجمع'' بھی بزرگانِ دین کا ایک نادر تذکرہ ہے یہ بھی ابھی تک دستیاب نہیں ہے۔ ان ہی کے ایک بیان کے مطابق یہ ''اسرار یہ'' سے پہلے کی تصنیف ہے اور خاصی ضخیم ہے۔ اس کے علاوہ ان کی ایک اور کتاب ''رسالۂ اعظم'' ہے جو انھوں نے اپنے صاحبزادے سید محمد اعظم کی وفات پر لکھی، اس میں انھوں نے تصوف کے رموز ونکات کے ساتھ سید محمد اعظم کے حالات ومقامات تفصیل سے لکھے ہیں۔

اس کے علاوہ پیم چرت، پیم اشلیکہ اور پیم امابن وغیرہ تصانیف ہندی شاعری کے مجموعے ہیں جن کا ذکر ''اسرار کشفِ صوفیہ'' میں اکثر مقامات پر آیا ہے۔

پیم چرت ہندی شاعری کا مجموعہ ہے۔ ان کے ایک معاصر مؤرخ کا کہنا ہے کہ وہ فارسی سے بہتر ہندی کے شاعر ہیں۔

پیم اشلیکہ : ہندی زبان میں منظوم کتاب ہے جس میں سلوک کے دس مراتب بیان کیے گئے ہیں۔

پیم امابن : یہ بھی ہندی زبان میں منظوم تصنیف ہے جو رموزِ تصوف اور سلوک واحسان کے واقعات پر مشتمل ہے۔

اس طرح سید محمد کمال کی کل تصنیفات مع ''اسرار یہ کشف صوفیہ'' کے سات ہیں مگر ''اسرار یہ کشف صوفیہ'' کے علاوہ تمام تصانیف ابھی تک پردۂ اسرار میں ہیں۔

سید محمد کمال نے ''اسرار یہ کشف صوفیہ'' میں اپنے ان تینوں مجموعہ ہائے کلام کا مختصراً تعارف کرایا ہے اور جگہ جگہ حسبِ موقع اپنا فارسی اور ہندی کا کلام بھی درج کیا ہے۔ ہمیں ابھی تک صرف وہی کلام دستیاب ہے جو ''اسرار یہ'' میں ہے۔ یہ زیادہ تر قطعات تاریخ ہائے وفات پر مشتمل ہے۔ اب مختصر تعارف کے ساتھ مع ترجمہ پہلے قطعات تاریخ نقل کرتے ہیں جس سے

سید محمد کمال کی شاعرانہ عظمت کے ساتھ ہی ان کی قادرالکلامی اور تاریخ گوئی کا تعین ہوگا۔

تاریخ گوئی بلاشبہ ایک مشکل فن ہے۔افسوس آج یہ فن بالکل ختم ہوتا جاتا ہے، بہرحال ہمارے ممدوح کی تاریخ گوئی کے نمونے یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

ا۔سب سے پہلے تبرکاً سرورانام حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وصال کا نمونہ پیش ہے۔سید محمد کمال لکھتے ہیں:

> ''میرے مجمل احوال یہ ہیں کہ میری ولادت مغرب کے وقت ۲؍ربیع الاوّل ۱۰۱۱ھ (۱۹؍اگست ۱۶۰۲) کو ہوئی ''اعظم'' اس کی تاریخ ہے۔اس دن آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کے عرس کی ابتدا ہے آپ کا وصال ہجرت سے گیارہویں سال میں وقوع پذیر ہوا۔۱۱؍ہجری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وصال ہے کہ میرے دل میں آئی اور میں نے یہ قطعہ کہا:

چون رفت ازین جہان محمد رفتند جہانیان خدا بُو
تاریخ وصالِ اُو بجستم گفتند ملائکہ ہُوَ ہُوُ

''یعنی جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان سے چلے گئے تو گویا بوئے الٰہی دنیا سے رخصت ہوئی۔جب میں نے ان کی تاریخ وصال کی جستجو کی تو ملائکہ نے کہا ہُوَ ہُوُ (۱۱؍ہجری) وہ وہی تھے''۔

۲۔خواجہ حسام الدین احمد معروف بہ خواجہ ابرار ابن میر نظام الدین احمد، حضرت خواجہ محمد باقی باللہ معروف بہ خواجہ بیرنگ کے اکابر خلفا میں تھے۔خواجہ بیرنگ ان کی بہت قدر کرتے تھے۔خواجہ حسام الدین کے والد اکبر بادشاہ کے امرا میں تھے اور غازی خاں کے لقب سے مشہور تھے۔جب ۹۹۲ھ میں ان کی وفات ہوئی تو اکبر بادشاہ نے بہت چاہا کہ خواجہ حسام الدین شاہی نوکری کریں مگر وہ کسی طرح تیار نہیں ہوئے۔جب بادشاہ نے زیادہ زور ڈالا تو ان کو ایک دن بادشاہ کے سامنے لے گئے انھوں نے خود کو دیوانہ ظاہر کیا اور دیوانہ وار اِدھر اُدھر نظر ڈالی اور یہ شعر پڑھا:

این ہمہ طمطراق کن فیکون ذرۂ نیست پیش اہل جنون

''یعنی دنیا کی یہ تمام چمک دمک اہل جنوں کی نظر میں ایک ذرے کے برابر وقعت نہیں رکھتی''۔

انہوں نے ۱۰۴۲ھ/۱۶۳۲ء میں وفات پائی۔ ان کی تاریخ ولادت ''شیخ جنید'' (۹۷۷) تھی، سید محمد کمال نے اس میں ''ما کجا'' کا اضافہ کر کے یعنی ''شیخ جنید ما کجا'' سے تاریخ وفات برآمد کی، جو یہ ہے:

تاریخ ولادت بزرگ خواجہ حسام دین وحق شیخ جنید گفتہ اند بر حسب کمال او
روز وصال او بدہ شنبۂ غرہ صفر ''شیخ جنید ما کجا'' گفت کمال سال او

''یعنی خواجہ حسام الدین بزرگ کی تاریخ ولادت ان کے حسب کمال 'شیخ جنید' کہی گئی، ان کے وصال کا دن شنبہ ماہ صفر کی چاندرات ہے، کمال نے ان کی تاریخِ وفات ''شیخ جنید ما کجا'' (یعنی ہمارے شیخ جنید کہاں گئے) کہی''۔

۳۔ شیخ الہداد: بھی خواجہ بیرنگ کے اکابر خلفا میں تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ خواجہ بیرنگ فرماتے تھے کہ ''ہمارے میاں الہداد توجہ اور حضور میں آبِ رواں کی مانند ہیں جو کبھی نہیں ٹھہرتا'' شیخ کی وفات ۲۳؍شعبان ۱۰۵۱ھ (۲۰؍نومبر ۱۶۴۱ء) میں ہوئی خواجہ بیرنگ کے احاطۂ قبرستان کے چبوترے پر ان کی قبر ہے۔ ان کی تاریخِ وفات خواجہ خرد نے ''شیخ فانی'' کہی تھی جس کو سید محمد کمال نے اس طرح نظم کیا:

جنیدِ وقت طیفورِ زمانی فریدِ عصر قطب الدین ثانی
جنابِ شیخ اللہ داد را بود بہ یغمائے ہدایت میزبانی
مہِ شعبان روزِ بست و سوئم شد از دنیا بملکِ جاودانی
دریغا ہیچ کس از رفتنِ او بجز رضوان نکردہ شادمانی
چو پر سیدم زِ دل تاریخ فوتش دلم از غیب گفتا ''شیخِ فانی''

''یعنی جنید وقت، طیفور زماں، فرید عصر، قطب الدین ثانی شیخ الہداد جو دولت ہدایت کے میزبان تھے، ۲۳؍شعبان المعظم ۱۰۵۱ھ کو دنیا سے ملک جاودانی کو رخصت ہوئے۔ افسوس علاوہ داروغہ جنت کے کوئی ان کے جانے سے خوش نہ ہوا۔ جب میں نے دل سے ان کے انتقال کی تاریخ پوچھی تو میرے دل میں غیب سے القا ہوا ''شیخ فانی'' ۱۰۵۱ھ''۔

۱۰۶۳ھ/۱۶۵۳ء میں شیخ الہداد کی اہلیہ نے بھی وفات پائی وہ بھی ایک زاہدہ اور عابدہ

خاتون تھیں۔سید محمد کمال نے ان کی بھی تاریخ کہی جس کا صرف مصرعہ تاریخ ہی ہمیں دستیاب ہوا، جو یہ ہے:

فانیہ رفت از ین جہان، بجنان

۴۔خواجہ عبیداللہ کلاں: یہ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ معروف بہ خواجہ بیرنگ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔اپنے وقت کے اولیائے کبار میں سے تھے۔انہوں نے ایک تذکرۂ صوفیہ بھی ''طبقاتِ حسامی'' کے نام سے لکھا۔خواجہ حسام الدین کے مرید و خلیفہ اور صحبت یافتہ تھے۔ سید محمد کمال نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''ان کے فضائل اور کمالات حوصلۂ بیان سے زیادہ ہیں۔ان کے قلم سے جو تصانیف عالیہ نکلی ہیں بہت نادر اور باقیمت ہیں۔''(۱)

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے ان کی خاص تربیت فرمائی تھی۔انہوں نے ۱۸؍جمادی الثانی ۱۰۷۳ھ/ ۱۶۶۴ء کو وفات پائی سید محمد کمال نے یہ تاریخ وفات لکھی:

چون رفت خوا جہ عبیداللہ از سرائے فنا کدام دیدہ زمژگان کہ دُرّ اشک نسفت
ہزار جان زفراقش چو گل گریبان چاک ہزار دل زجدائیش ہمچو زلف آشفت
کمال از پئے سال وصال آں خوا جہ چون فکر کرد ''بشد آن خواجہ کلان'' برگفت

''یعنی جب خواجہ عبیداللہ اس سرائے فانی سے رخصت ہوئے تو کون سی آنکھ نے اپنی پلکوں سے اشکوں کے موتی نہ پروئے۔ہزاروں جانوں نے ان کے فراق میں گل کی مانند اپنے گریباں چاک کر لیے ہیں اور ہزاروں دل ان کی جدائی میں زلفوں کی طرح پریشان ہیں۔کمال نے جب ان خواجہ کلاں کے وصال کی تاریخ کی فکر کی تو ''بشد آن خواجۂ کلاں'' کہہ اُٹھا''۔

۵۔خواجہ کلمت اللہ: حضرت خواجہ عبداللہ خرد کے فرزند تھے۔ایک اچھے عالم و فاضل و عارف تھے۔والد کے سامنے ہی ۱۷؍رمضان ۱۰۷۱ھ/۱۶۶۱ کو قصبہ اورنگ آباد میں وفات پائی۔کافی عرصہ کے بعد نعش کو وہاں سے لا کر خواجہ بیرنگ کے چبوترے پر شیخ الہداد کے نزدیک دفن کیا گیا۔کمال نے مندرجہ ذیل تاریخ کہی:

کلمۃ اللہ خواجۂ راہ ہدیٰ چوں برفت، اندر جہاں شادی نماند

دوستاں را از تن آسائش گذشت بیدلاں را در دل آزادی نماند
سال تاریخ وصالش عقل گفت کلمۃ اللہ عارفِ ہادی نماند

’’یعنی خواجہ کلمۃ اللہ راہِ ہدایت کے خواجہ (رہنما) ہیں، جب وہ گئے تو دنیا میں خوشی نہ رہی۔ دوستوں کے دلوں سے آرام وسکون چلا گیا اور بے دلوں کے دل میں آزادی نہ رہی۔ ان کے وصال کی تاریخ عقل نے کہی کہ ’’کلمۃ اللہ جو ایک عارف تھے، نہ رہے‘‘۔

۶۔ **شیخ رستم:** نقشبندی سلسلہ کے بڑے اولیا اور خواجہ بیرنگ کے اکابر خلفا میں سے تھے۔ محمد کمال نے لکھا ہے کہ:

’’انھوں نے چند روز میں ہی طریقہ نقشبندیہ کے سلوک کو ایک اشارۂ غیبی پر خواجہ بیرنگ قدس سرہٗ کی صحبت میں کمال کو پہنچا دیا تھا۔‘‘(۲)

خواجہ بیرنگ کے بعد اخیر عمر تک حضرت خواجہ حسام الدین خواجہ ابرار کی صحبت اُٹھائی۔ ۱۱؍جمادی الاولیٰ ۱۰۷۲ھ/۱۶۶۲ کو وفات پائی۔ دہلی میں خواجہ بیرنگ کے چبوترے کے کنارے تدفین ہوئی۔ سید محمد کمال نے یہ تاریخی قطعہ لکھا:

شیخ رستم صاحبِ صدق و صفا چوں بسوے خلد اعلی بُرد راہ
سال تاریخ و صالش عقل گفت کو حبیب خواجۂ ابرار آہ

’’یعنی جب صاحب صدق وصفا شیخ رستم نے خلد کی راہ لی عقل نے ان کی تاریخ وصال کہی، ’’کو حبیبِ خواجۂ ابرار آہ‘‘ آہ وہ خواجۂ ابرار کا حبیب کہاں ہے‘‘۔

۷۔ **شیخ محمد قلی:** شیخ رستم کے بیٹے اور دہلی کے بڑے صوفیہ میں تھے۔ شیخ کے بارے میں ’’اسراریہ‘‘ میں لکھا ہے کہ جب صرف تین دن کے تھے تو انہوں نے کلمہ طیبہ ’’بزبان فصیح‘‘ مکمل حروف کی ادائیگی کے ساتھ پڑھا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب ’’تصحیح لغات‘‘ ’’شرح مشکوٰۃ‘‘ فارسی سے احادیث انتخاب کرکے ایک کتاب ’’سراج المشکوٰۃ‘‘ لکھی۔ یہی اس کا تاریخی نام ہے جس سے ۱۰۶۱ھ سن برآمد ہوتا ہے۔ ۱۰۷۳ھ/۱۶۶۳ میں وفات پائی۔ سید محمد کمال نے مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ ان کی وفات پر لکھا:

اے خوشا زیستن و مردنِ آن زندہ دلے کہ بدرد و غم او عمر نہ برباد گذشت

شد محمد قلی آزاد ازین دیر فنا دولتے یافت کہ وے بے غم و دل شاد گذشت
زان دوئ کردہ ز دل دور بگفتم تاریخ آہ صد آہ محمد قلی آزاد گذشت

''یعنی اس زندہ دل شخص کا کیا خوب جینا اور مرنا ہے جو عمر اللہ تعالیٰ کے درد و غم میں گذر ہوئی وہ برباد نہیں ہوئی۔ محمد قلی اس دارفنا سے آزاد ہو گئے۔ انھیں انتقال کے وقت ایسی دولت ملی کہ بے غم اور خوش خوش گئے۔ میں نے دل سے اسی لیے دوئی کو دور کر کے تاریخ وفات کہی ''آہ صد آہ محمد قلی آزاد گذشت'' افسوس صد افسوس محمد قلی آزادی کے ساتھ گز گئے۔ (نوٹ: اس مصرعہ تاریخی میں ایک ''آہ'' کے چھ عدد شمار نہیں ہوں گے تب سن مذکورہ ۱۰۷۳ھ برآمد ہوگا'')

۸۔ شیخ مرتضیٰ سنبھلی ابن شیخ مصطفی: شیخ بھی خواجہ بیرنگ کے خلفا میں سے تھے۔ شیخ شہر سنبھل کے بڑے بزرگ اور عالم و فاضل تھے۔ سید محمد کمال سے بہت اچھے اور مخلصانہ و دوستانہ مراسم تھے۔ خواجہ بیرنگ کے صاحبزادے خواجہ عبداللہ خرد ان کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ ''اسرار یہ کشف صوفیہ'' میں آپ کا تفصیلی حال موجود ہے۔ انھوں نے ۱۶؍ ربیع الاوّل ۱۰۷۴ھ/۱۶۶۴ء میں وفات پائی۔ سید محمد کمال نے یہ قطعہ تاریخ وفات لکھا:

آن صاحب کمالِ خدا شیخ مرتضیٰ از عالم فنا چو بدارالقرار رفت
صبر و قرار رفت بہم دل زِ عاشقان ناگاہ ہم چو ماہ وشے از کنار رفت
از عالم فنای چو شبلی بحال خود چون رفت چون جنید بعلم و وقار رفت
تاریخ فوت او چو طلب کردم از خرد ہاتف زغیب گفت آہ ''نقیب دیار رفت''

''یعنی جب وہ صاحب کمال خدا، شیخ مرتضیٰ عالم فنا سے عالم بقا کو سدھارے تو عاشقوں کے دلوں کے ساتھ ساتھ ان کا صبر و قرار بھی چلا گیا کیونکہ وہ چاند جیسے چہرے والا محبوب اچانک ان کی گود سے چھن گیا وہ عالم فنا سے ابوبکر شبلی اور جنید بغدادی کی طرح علم و وقار کے ساتھ رخصت ہوئے۔ میں نے جب ان کی تاریخ وفات کی تلاش کی تو ہاتف غیب نے میرے دل میں غیب سے اِلقا کیا کہ ''نقیب دیار رفت'' بزرگی رکھنے والا چلا گیا''۔

۹۔ شیخ عبدالغفور سنبھلی: خواجہ بیرنگ کے خلفا میں بڑے نامدار تھے۔ کمال استقامت

سے متصف، طریقت و معاملت کو جذبہ کے ساتھ ملائے ہوئے، ہمیشہ صوفیانہ رسموں سے دامن کش رہے۔ عام آدمی کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ سید محمد کمال نے ان کے تفصیلی حالات لکھے ہیں۔ شیخ ایک کامل بزرگ تھے اور سنبھل کے قطب کہلاتے تھے۔ ماہ جمادی الاول ۱۰۵۹ھ/ ۱۶۴۹ء میں وفات پائی۔ سید محمد کمال نے مندرجہ ذیل تاریخی قطعہ ان کی وفات پر لکھا ہے:

عبدغفور از دارِ جہان رفت   بزرگِ کامل و شیخ جہان رفت
بجانِ اہل شوق و عشق و عرفان   بسا افسوس و فریاد و فغان رفت
بیُمنِ ہمّت بیرنگ خواجہ   ہمہ عمرش چو عمر عارفان رفت
چو پر سیدم ز دل تاریخِ فوتش   بگفتا ''قطب سنبھل زین جہان رفت''

''یعنی عبدالغفور، دنیا سے کیا گئے۔ ایک بزرگ کامل اور شیخ، جہان سے چلا گیا۔ اہل شوق اور اہل عشق و عرفان الٰہی کی جانوں پر حد درجہ غم و افسوس، فریاد و فغاں طاری ہے۔ خواجہ بیرنگ قدس سرہٗ کی ہمت، توجہ اور دعا کے طفیل ان کی ساری زندگی عارفین کی طرح گزری ہے۔ جب میں نے اپنے دل سے ان کی تاریخ وفات دریافت کی تو وہ بولا'' قطب سنبھل زین جہان رفت'' قطبِ سنبھل اس دنیا سے چلا گیا''۔

۱۰۔ **شیخ نعمت اللہ شیخی:** شیخی کے لقب سے معروف تھے اور حضرت خواجہ عبداللہ انصاری ہروی کی اولاد سے تھے۔ تلاش حق میں بچپن میں ہی یعنی ۱۰۰۸ھ میں خواجہ بیرنگ کی صحبت سے وابستہ ہوکر جلد ہی طریق نقشبندیہ کا سلوک طے کیا۔ بڑے صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ ۹/ربیع الاوّل ۱۰۶۵ھ/ ۱۶۵۵ء میں وفات پائی۔ سید محمد کمال پر بہت لطف و کرم کا معاملہ فرماتے تھے۔ کمال نے مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ وفات لکھا:

صد آہ کہ شیخ نعمت اللہ   برداشت رخت از زمانہ
معروف بہ شیخی از چہ بودہ   شیخی بدہ پیش اُو فسانہ
''شیخی نماند'' گفت ہاتف   تاریخ وفاتِ آن یگانہ

''یعنی صد افسوس شیخ نعمت اللہ نے دنیا سے رخت سفر باندھ لیا۔ اگرچہ وہ شیخی کے لقب سے مشہور تھے مگر شیخی تو ان کے نزدیک ایک فسانہ تھی۔ ہاتف غیب نے کہا کہ اس یگانہ روزگار

کی تاریخ وفات ''شیخی نماند'' کہ شیخی نہیں رہے۔ کہو''۔

۱۱۔شیخ محمد صادق فرید آبادی ابن شیخ محمد بادل: یہ اصلاً سنبھل کے ہی تھے مگر ان کے والد شیخ بادل کو شیخ فرید بخاری نے فرید آباد میں آباد کر دیا تھا اور وہاں کی آبادی و عمارات کا حاکم بنادیا تھا۔ شیخ حضرت خواجہ عبداللہ خرد کے مرید و عقیدت مند تھے۔ خواجہ خرد ان کے بارے میں فرماتے تھے کہ:

> ''انھوں نے بہت تھوڑی مدت میں ایسے احوال غریبہ خود میں پیدا کر لیے تھے جو دوسروں کو سالوں سال بھی پیش نہیں آتے۔''

انہوں نے ۱۰۶۱ھ/۱۶۵۱ میں وفات پائی۔ سید محمد کمال نے اس طرح ان کی وفات کا قطعۂ تاریخ لکھا:

دردا بسا جوان بزمین خاک گشتہ است کز خاکِ شان شدہ بجہان بیشمار خشت
مجموعہ مروّت و حلم و وفا وجود رفت از جہان چون صادق بادِل نکوسرشت
در ماتمش شدہ جگر و سینہ ہا کباب لیکن چہ سود زانکہ چنین بود سر نبشت
کردم ز دلِ سوال چو از سالِ فوتِ او دل در جواب گفت بگو ''شد گل بہشت''

> ''یعنی افسوس ایک ایسا نوجوان زیر زمین چلا گیا ہے کہ جس کی خاک سے بے شمار تعمیرات جہان وجود میں آ گئیں تھیں۔ جب صادق صاحب دل، نکو سرشت دنیا سے رخصت ہوئے تو گویا حلم، وفا، مروت اور جود کا مجموعہ ہی چلا گیا۔ ان کے ماتم میں جگر اور سینے کباب ہو گئے ہیں لیکن اس ماتم سے کیا فائدہ جو لکھا تھا ہو گیا۔ جب میں نے دل سے اُن کی تاریخ وفات معلوم کی تو دل نے جواب میں کہا ''شد گل بہشت'' ۱۰۶۱ھ (1651)''۔

۱۲۔شیخ محمد صالح: شیخ محمد بادل کے بیٹے اور شیخ محمد صادق فرید آبادی کے بھائی اور خواجہ خرد کے مرید تھے۔ ''اسراریہ'' میں ان کا ذکر یوں ہے کہ:

> ''محمد صالح اپنے زمانے کے نیک، شریف، صاحب ہمت وفتوت اور اخلاق و مروت کی تصویر تھے۔''

خواجہ خرد انہیں ''نیکوکار'' کہا کرتے تھے۔ انھوں نے ۱۸ ربیع الاوّل ۱۰۷۵ھ/۱۶۶۵ء

میں وفات پائی۔ سید محمد کمال نے یہ قطعۂ تاریخ وفات لکھا:

شیخ صالح محمد بادِل اہل جود و یگانہ و یک رو
چون برفت از جہان عزیزان را در جہاں گشت ما تمش ہر سو
سال فوتش چون از خرد جستم خِردَم گفت ''شیخ صالح کو''

''یعنی: جب شیخ محمد صالح بادِل جو اہل جود، یگانہ روزگار اور مخلص تھے دنیا سے گئے تو دوستان خدا کے لیے تمام جہان ماتم کدہ بن گیا۔ جب ان کے فوت کی تاریخ پر میں نے غور کیا تو یہ سمجھ میں آیا ''شیخ صالح کو'' ۱۰۶۵ھ (شیخ صالح کہاں گئے)''۔

۱۳۔ شیخ محمد فاضل ابن شیخ محمد بادل: ان کے بارے میں سید محمد کمال نے لکھا ہے کہ:

''محمد فاضل اعجوبۂ روزگار تھے، اپنے دور کے نوجوانوں میں خوش صحبت، خوش کلام، فارسی اور ہندی میں مکمل دست گاہ رکھتے تھے۔''

بڑے صاحب علم تھے۔ ہندی زبان و بیان پر کامل عبور تھا۔ سید محمد کمال نے لکھا ہے کہ 'میں ہندی زبان اور اس کی اصناف میں اُن کا شاگرد ہوں، وہ صاحب فنون عجیبہ وغریبہ تھے۔ نقاشی اور تیراندازی میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ ایک دن ان کی ''باقی'' نام کے نوجوان سے کچھ کہاسنی ہوگئی، باقی نے ان کے سینے پر خنجر سے ایک کاری زخم لگایا اور وہ اس زخم کی تاب نہ لاکر ۱۰۶۵ھ/ ۱۶۵۵ میں وفات پاگئے۔ سید محمد کمال نے اس واقعہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے ان کی تاریخ وفات کہی:

چون فاضل را باقی زخمے بجگر در زد صہبائے شہادت خورداز دست اجل ساقی
ز ایماء سیاق و ہم از شیوہ استفہام ہاتف بدلم گفتہ گو''فاضل ما باقی''

''یعنی جب شیخ محمد فاضل کو باقی نے ایک کاری زخم لگایا تو انھوں نے ساقی کے دست اجل سے شہادت کے شربت کو پیا۔ میں نے ان کی استفہامی تاریخ ایمائے سیاق میں کہی تو ہاتف نے میرے دل سے کہا کہ کہو''فاضل ما باقی''۔

۱۴۔ شیخ بلاول قادری: اپنے وقت کے مشائخ میں تھے۔ نورانی شکل، متقی اور باشکوہ، ریاضت شاقہ کیے ہوئے۔ ان کے خلفا ان کی بہت سی کرامات بیان کرتے ہیں۔ ایک بار بادشاہ

صاحب قران ثانی یعنی شاہ جہاں انھیں دیکھنے کے گئے اور ان سے دعا کی درخواست کی، شیخ نے انصاف کرنے کی ترغیب دی اور یہ حدیث پڑھی ''العدل ساعتٍ خیر من عبادت الثقلین'' کہ ایک گھڑی کا عدل (انصاف) جن وانس کی سو برس کی عبادت سے بہتر ہے۔

شاہ را بہ بود از طاعت صد سالہ و زہد　　قدر یک ساعت عمرے کہ در و داد کند

''یعنی بادشاہ کے لیے وہ گھڑی بھر عمر جس میں وہ انصاف کرے سو سالہ زہد اور (نفلی) عبادت کی زندگی سے بہتر ہے''۔

شیخ بلاول نے ۲۹ شعبان ۱۰۴۶ھ/ ۲۵ جنوری ۱۶۳۷ میں وفات پائی۔ قبر لاہور میں شہر کے شرقی کنارے پر ہے۔ سید محمد کمال نے ان کی وفات پر مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ وفات لکھا:

چون شاہ بلاول یگانہ　　بودہ بجہان جنید دوران
بگذشت ازین سرائے فانی　　در بست و نہم ز شہر شعبان
از رفتنِ اُو بگفت ہاتف　　رفتست بتن نرفتہ از جان
تاریخ وفات او خرد گفت　　یا شاہ بلاول خداداں

''یعنی جب شاہ بلاول یگانہ روزگار، جنید دوراں نے اس جہانِ فانی سے ۲۹ شعبان کو کوچ کیا۔ اُن کے جانے پر ایک ہاتف (غیبی) نے ندا دی ''صرف ان کا جسم رخصت ہوا ہے، نہ کہ اُن کی جان فنا ہوئی ہے۔'' اُن کی تاریخ وفات یہ ذہن میں آئی، شاہ بلاول خداداں (۱۰۴۶ھ)''۔

۱۵۔ **مولانا شاکر محمد ابن شیخ وجیہہ الدین:** علوم ظاہری کے عالم تھے اور شیخ عبدالعزیز چشتی دہلوی کے پوتوں اور شاہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے خاص تلامذہ میں تھے۔ سید محمد کمال لکھتے ہیں کہ:

''ایک دن بادشاہ صاحب قران ثانی (شاہ جہاں) نے مولانا شاکر سے سوال کیا کہ آپ بہت بوڑھے ہو گئے ہیں پھر بھی رمضان المبارک کے سارے روزے رکھتے ہیں؟ کہنے لگے جب تک دم میں دم ہے انشاءاللہ روزہ نہ چھوڑوں گا۔ اخیر عمر میں ایسا اتفاق ہوا کہ وسط ماہ شعبان میں سخت بیمار پڑ گئے۔ اسی بیماری کی حالت میں کہتے رہتے، افسوس! میرے حال پر اگر میں حالت بیماری میں رمضان

گزاروں اور روزہ نہ رکھوں۔ اسی حالت میں شعبان کی کسی آخری تاریخ کو ۱۰۶۳ھ (۱۵؍فروری ۱۶۵۳) میں دنیا سے رخصت ہوگئے۔ میں نے ان کی تاریخ وفات کہی''۔(۳)

شیخ شاکر محمد آنکہ بعلم   گوی از فاضلان عہد ربود
چون سفر کرد از جہان خراب   ساخت معمور قصر جنّت زود
سال تاریخ آن عزیز زمان   گفت ہاتف کہ ''شیخ فانی بود''

''یعنی شیخ شاکر محمد جو کہ علم میں فاضلانِ زمانہ سے سبقت لے گئے تھے۔ جب انھوں نے اس جہاں خراب سے سفر آخرت اختیار کیا تو فوراً قصر جنت کو معمور کردیا۔ اس عزیز زمانہ کا سنِ تاریخ وصال ہاتف نے ''شیخ فانی بود'' کہا''۔

۱۶۔ شیخ عبدالرحمن سنبھلی: سنبھل کے یگانۂ روزگار، ظاہری و باطنی صفائی میں باکمال، طریقہ نقشبندیہ کے اکابر مشائخ میں تھے۔ سید محمد کمال نے لکھا ہے کہ:

''بزرگی کے آثار اور برکتیں ان سے بہت ظاہر ہوتی تھیں'' اور آگے لکھتے ہیں:

''شیخ عبدالرحمن سنبھلی میرے شیخ کے بڑے مخلص تھے۔ ہمیشہ محبت کے ساتھ ان کا ذکر کرتے اور کہا کرتے تھے کہ خواجہ بیرنگ اور ان کی آواز ایک جیسی ہے۔''

خواجہ بیرنگ کے خلیفہ شیخ تاج الدین سنبھلی کے مرید و خلیفہ تھے۔ سنبھل میں ان کے بہت سے مرید اور خلیفہ ہوئے۔ جمعرات کے دن ۷؍شوال ۱۰۶۷ھ/ ۸؍اگست ۱۶۵۷ کو وفات پائی۔ ان کی تاریخ وفات سید محمد کمال نے یہ لکھی:

شیخ اہل طریقت و کامل   عبدرحمن کہ داشت قدر بلند
پنجشنبہ و ہفتم از شوال   بجنان رفت زین سرای نژند
ہمگیٔ عمر با محبتِ حق   ماندہ خورسند رفتہ خود خورسند
سال تاریخش از خرد جستم   خِردم گفت ''شیخ بے مانند''

''یعنی اہل طریقت اور کامل وقت عبدالرحمن جو بڑے بلند مرتبہ شیخ تھے بروز جمعرات ۷؍شوال کو اس سرائے فانی سے جنت کو سدھارے۔ عمر بھر وہ محبت حق میں خوش وخرم جئے

اورخوش وخرم ہی دنیا سے گئے۔ جب میں نے ان کی تاریخ وفات کا سال سوچا تو میری عقل بولی ”شیخ بے مانند“۔

۱۷۔ شیخ بہاء الدین پرتاوہ: صاحب ذوق اور صاحب وجد و حال بزرگ تھے۔ ہندی زبان میں بھی شعر کہتے تھے، سید محمد کمال نے لکھا ہے کہ:

”ان کے ہندی اشعار دلوں کو ذوق بخشتے ہیں۔ان کے خیال صوفیہ کے موافق ہوتے ہیں اور عجیب تاثیر رکھتے ہیں۔انھوں نے ایک ساز بھی بنایا ہے اس کا نام بھی خیال رکھا ہے۔“(۴)

۱۰۳۴ھ/ ۱۶۲۵ میں ان کی وفات ہوئی۔ سید محمد کمال نے لکھا ہے کہ ”جب میرے شیخ نے ان کے انتقال کو سنا فوراً یہ مصرعہ تاریخ کہا ”آہ شیخ بہاء الدین آہ“ اور میں نے اس پر یہ قطعہ کہا:

شد ز دنیا چون بہاء الدین شیخ بود کو واقف ز اسرار الہہ
شیخ من گفت زسال فوتش آہ شیخ بہاء الدین آہ

”یعنی جب شیخ بہاء الدین دنیا سے چلے گئے جو بلا شبہ اسرار الٰہی کے واقف تھے میرے شیخ نے ان کے جانے کی تاریخ کہی کہ ”آہ شیخ بہاء الدین آہ“ ہائے شیخ بہاء الدین افسوس“۔

۱۸۔شہابن: سنبھل میں ایک نوجوان شخص تھے جن کا نام ”شیخ شہاب“ تھا وہ شہابن کے نام سے مشہور تھے۔ وہ ایک فوجی تھے اور شیخ عبدالعزیز چشتی دہلوی کے پوتوں میں سے تھے۔ پانی میں ڈوب کر ۱۰۳۷ھ/ ۱۶۲۸ میں نوجوانی میں ہی وفات ہوگئی۔ سید محمد کمال نے مندرجہ ذیل تاریخ کہی:

افسوس کان شہاب بعہد شباب رفت گل دیرتر رسید ولیکن شتاب رفت
تاریخِ فوتِ او چو پرسیدم از خرد برداشت آہ وگفت ”شہابن بآب رفت“

”یعنی افسوس کہ وہ شہاب جوانی میں دنیا سے چلا گیا۔ اگرچہ یہ پھول بہت دیر سے کھلا تھا مگر جلدی چلا گیا۔ جب میں نے انتقال کی تاریخ پوچھی تو خرد نے ایک آہ بھری اور بولی ”شہابن بآب رفت“ (شہابن پانی میں ڈوب گئے)“۔

۱۸۔شیخ آدم سنبھلی: یہ پڑھے لکھے نہیں تھے مگر بڑے قوی النسبت، راسخ الطریقہ

اور بہت سے مشائخ کبار کی صحبت اُٹھائے ہوئے تھے۔ ''اسرار یہ کشف صوفیہ'' میں ان کے تفصیلی حالات ہیں اور راہ تصوف میں ان کی بہت تعریف کی ہے۔ ۲۱ ربیع الاوّل ۱۰۶۷ھ/ ۲۸ دسمبر ۱۶۵۷ء کو وفات پائی۔ سید کمال لکھتے ہیں کہ ''جب میں نے ان کے انتقال کی خبر اپنے شیخ کے پاس دہلی میں سنی تو یہ قطعۂ تاریخ کہا'':

وفاتِ شیخ آدم چون شنفتم دُر اشک از سر مژگان بسفتم
پس آنکہ سال تاریخ وصالش ولی اللہ شیخ آدم بگفتم

''یعنی جب میں نے شیخ آدم کی وفات کی خبر سنی مجھ پر گریہ طاری ہو گیا اس وقت میں نے ان کی تاریخ وصال ''ولی اللہ شیخ آدم'' کہی''۔

سید محمد کمال اس تاریخ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''میں نے یہ (قطعہ) اپنے شیخ کو سنایا، شیخ خوش ہوئے اور فرمایا ''خوب کہی اور ان کے مناسب حال کہی''۔

۱۹۔ **میر محمد مراد بدخشی سنبھلی:** نسباً سید اور بدخشاں کے اکابر زادوں میں سے تھے۔ خواجہ خاوند محمود کے سلسلۂ نقشبندیہ میں مرید تھے۔ بچپن سے ہی اس راہ میں لگے ہوئے تھے۔ جذبہ الٰہی ان پر طاری تھا۔ میر دیوانہ کے نام سے مشہور تھے۔ ان کے گھر والوں نے جوانی میں ان کا نکاح کرنا چاہا تو آپ بدخشاں سے بھاگ کر ہندوستان آئے۔ ان کے بھانجے جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے دربار میں تین ہزاری منصب پر فائز تھے۔ ایک بہانے سے ان کو اکبر بادشاہ کے دربار میں لے گئے اور ان کی حقیقت عرض کی۔ بادشاہ نے کہا ''میر دیوانہ کچھ زمانہ ہمارے ساتھ رہیے اور فراغت دل سے عیش کیجیے۔'' انھوں نے کہا اے بادشاہ جو عیش و عشرت مجھے حاصل ہے وہ اس سے بہت بڑھا ہوا ہے:

گر چہ گرد آلود فقرم شرم باد از ہمّتم گر بآب چشمۂ جوشیدہ دامن تر کنم
من کہ دارم در گدائی گنج سلطانی بدست کہ طمع در گردش گردون دون پرور کنم

''یعنی اے مخاطب اگر چہ میں فقر کی گرد میں اٹا ہوا ہوں مگر میری ہمت کے لیے شرم کی بات ہوگی اگر میں اپنے اشکوں کے امنڈتے چشمے سے دامن بھگوؤں جب میں اس گدائی میں سلطانی کی دولت سے مالا مال ہوں حقیر دنیا کو کب نظر میں لاتا ہوں''۔

امروہہ اور سنبھل کے درمیان ایک دل کش مقام جو ''مغل'' کے نام سے مشہور تھا، تین سال وہاں رہے۔ وہاں سے سنبھل گئے اور بدایوں دروازے سے ملی ہوئی شیخ فرید کی چلہ گاہ پر مستقل سکونت اختیار کی۔ قبر وہیں پر ہے۔ ۸؍جمادی الاوّل ۱۰۶۵ھ/ ۵؍مارچ ۱۶۵۵ میں وفات پائی۔ سید محمد کمال نے مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ لکھا:

چون محمد مراد صاحبدل زبدۂ زمرۂ صفا کیشان
رفت و تاریخِ فوتش از سر صدق گفتہ شد ''مُرد میر درویشان''

''یعنی جب زبدۂ زمرۂ صفا کیشاں محمد مراد صاحب دل، دنیا سے رخصت ہوئے تو میں نے ان کی تاریخِ وفات معلوم کی تو میرے دل کی گہرائیوں نے کہا ''مُرد میر درویشاں'' کہ درویشوں کا سردار چلا گیا''۔

۲۰۔ سید احمد غریب: اصلاً سورت شہر کے رہنے والے تھے۔ حاکم مرادآباد رستم خان دکنی سے تعلق کی بنیاد پر سنبھل کے قریب مرادآباد آکر بس گئے تھے۔ سید عمر بیجاپوری کے مرید اور تصوف میں سید حسین سواتی کے شاگرد تھے۔ سلسلۂ نقشبندیہ کے بڑے مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔ اخلاق ومروت والے صاحب فتوت بزرگ تھے۔ ۱۰۶۶ھ/ ۱۶۵۶ میں وفات پائی۔ قبر مرادآباد کی جامع مسجد کے سامنے ہے۔ سید محمد کمال واسطی نے مندرجہ ذیل تاریخ وفات لکھی:

چون سید احمد اہلِ کمالات سلوک راہ حق پیمودہ بیشک
سفر کرد از سرائے بے بقائے شدہ در باغ خلد آسودہ بیشک
بجستم از خرد تاریخ فوتش خرد گفتہ ''بہشتی بودہ بیشک''

''یعنی بلاشبہ جب سید احمد اہل کمالات، سلوک حق طے کر چکے تو انھوں نے اس سرائے فانی سے کوچ کرلیا اور باغ خلد میں آسودہ ہوگئے میں نے عقل سے ان کی تاریخ وفات پوچھی تو اس نے کہا ''بہشتی بودہ بیشک''۔ ''وہ بیشک جنتی تھے''۔

۲۱۔ امیر رستم خاں دکنی، حاکم سنبھل ومرادآباد: رستم خاں دکنی امراء شاہ جہانی میں خاصے نامور رہے ہیں۔ سید محمد کمال نے ''اسراریہ کشف صوفیہ'' میں اکثر مقامات پر ان کی بہت تعریف کی ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''وہ ایسے امیر تھے جنھیں خیر زمان کہتے ہیں، ایک عالم ان سے نفع اُٹھا کر جمعیت صوری بلکہ معنوی کو پہنچا اور وہ باوجود جودوسخا کے اس مرتبے کے فقراء کے نیاز مند ہیں اور ان کے نیاز مندوں کے ساتھ متواضع۔''(۵)

بعض جگہ ان کی خاکساری کی بہت تعریف کی ہے۔ واسطی لکھتے ہیں کہ ''اس کے بعد امیر رستم خاں دکنی نے میر سید فیروز کی خوبی طاقت اور تدبیر سے لشکر ایران پر فتح حاصل کر لی اور ''بہادر فیروز جنگ'' کا خطاب پایا اور امراشاہ جہانی میں معزز ہوگئے۔

۷/رمضان ۱۰۶۸ھ/ ۲۵/مئی ۱۶۵۸ کو اکبرآباد کی جنگ میں شہادت پائی۔ محمد کمال لکھتے ہیں کہ:

''میں چونکہ ان سے پہلے بارہ سال اور دس سال چند ماہ ان کے ساتھ لشکری رہ چکا ہوں، وہ مجھ پر بے حد لطف فرماتے۔''

واسطی نے ان کی وفات حسرت آیات پر مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ قلم بند کیا:

چون بہادر رستم فیروز جنگ — عالمے در مدحتِ او لب کشود
در شجاعت رستم و سنان عصر — در سخاوت حاتم آفاق بود
ترکتازی کرد در میدان ہند — سرخرو گشت و بجنّت رفت زود
چون فریدے مرتضیٰ خان در جہان — داد، خورد و بُرد، را خوش وا نمود
سال تاریخ و فاتش عقل گفت — بُرد رستم گوے از میدانِ جود

''یعنی جب بہادر فیروز جنگ رستم خاں نے کہ جن کی تعریف ایک دنیا کر رہی ہے جو کہ شجاعت میں رستم اور سنان عصر تھے اور سخاوت میں حاتم آفاق تھے میدان ہند میں بہادری کے جوہر دکھائے۔ سرخرو ہوئے اور بہت جلد جنت چلے گئے۔ شیخ فرید مرتضیٰ خاں کی طرح امیر رستم خاں نے بھی دنیا میں دوسروں کو دینے، کھلانے اور اپنے ساتھ لے جانے کو پسند کر لیا۔ ان کی تاریخ وفات عقل نے کہی ''برد رستم گوئے از میدانِ جود'' میدانِ سخاوت میں رستم خاں بازی لے گئے''۔

(جاری)

مسیح الملک حکیم اجمل خاں

ڈاکٹر حسن بیگ☆

حکیم محمد اجمل خاں ایک عملی انسان تھے۔ ان کا میدانِ عمل، طب، تعلیم، سیاست، تحقیق، ادب اور صحافت وغیرہ تک وسیع تھا۔ وہ حافظ قران وخطاط تھے۔ مذہبی رواداری اور ہندو مسلم اتحاد کے داعی تھے۔ انسانوں کے دکھ درد میں شرکت اور علاج معالجہ میں معاونت کی خوبیاں مستزاد۔

بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی میں ان کی سیاست کا اثر پورے ملک پر حاوی تھا۔ ۳۰ مارچ ۱۹۱۹ء کو دلی میں جو ہنگامہ ترک موالات کے سلسلے میں ہوا، اس کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کمشنر نے اُن کو اپنے پاس بلایا تو یہ خبر اڑ گئی کہ حکیم صاحب کو گرفتار کرلیا گیا ہے، اس وقت جو ہوا اس کے ایک چشم دید گواہ علامہ اخلاق حسین دہلوی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''میں نعمانیہ پرائمری اسکول میں پڑھتا تھا، جو بلیماران میں حکیم محمد اجمل خاں کے مکان کے قریب ہی تھا۔ دو پہر کو چھٹی ہوئی، مدرسے سے باہر آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ بازار آدمیوں سے بھرا پڑا ہے، بڑی مشکل سے چند قدم چلے، دم گھٹنے لگا تو مسجد حکیم شریف خاں میں چڑھ گئے اور وہاں سے یہ منظر دیکھتے رہے کہ ہر کوئی جس حلیے میں ہے دوڑا چلا آرہا ہے، خالی ہاتھ کوئی بھی نہیں، لکڑی، لاٹھی، بانس، پلنگ کا پایہ، سیروا، پٹی، ادھ جلی چولہے کی لکڑی لیے، چھوڑو، چھوڑو کا نعرہ لگاتا بھیڑ میں گھسا چلا جاتا ہے۔ مسجد میں کچھ اور اشخاص بھی آگئے تھے اُن کی باتوں سے پتہ چلا کہ علی الصبح دلّی کے انگریز چیف کمشنر نے حکیم صاحب کو دلی کے ٹاؤن ہال میں بلایا اور وہ ابھی تک واپس نہیں آئے۔ شہر میں یہ خبر پھیل گئی کہ حکیم صاحب کو بھی گرفتار کرلیا ہے، اس خبر وحشت اثر سے سارا شہرامنڈ پڑا ہے، کمپنی باغ کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ چاندنی چوک میں تل دھرنے کو جگہ نہیں ہے، چاندنی چوک کو آنے والے سارے راستے آدمیوں کی بھیڑ سے

☆انگلینڈ

بند پڑے ہیں، پولس روک تھام کر رہی ہے، مگر کوئی ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ آخرکار جب حکیم صاحب آتے نظر آئے تو ان متوالوں کی جان میں جان آئی اور بھیڑ چھٹنے لگی، جب بھیڑ چھٹ گئی تو ہم بھی کوئی دو گھنٹے بعد مسجد سے اترے اور گھر گئے۔ رہنمایانِ قوم کی گرفتاریاں تو عمل میں آتی رہتی تھیں لیکن یہ منظر کبھی دیکھنے میں آیا نہ سننے میں، یہ کیا تھا؟ یہ تھا دراصل حکیم محمد اجمل خان کی فطری مخلصانہ ہمدردی کا ثمرہ جو اُن کی خلقت میں مرکوز تھی"۔(۱)

حکیم صاحب کا تقرر ریاست رامپور میں بطور معالج ۱۸۹۲ء(۲) میں ہوا تھا۔ اس وقت ان کی عمر ۲۴ سال تھی۔ انہوں نے نو سال تک وہاں خدمات انجام دیں۔ یہ نو سال کا عرصہ ان کی علمی، ذہنی، تحقیقی اور سیاسی زندگی کے ارتقا کا زمانہ تھا۔ نواب رامپور حامد علی خاں کی عمر اس وقت سترہ سال تھی، عمروں میں زیادہ فرق نہیں تھا، اس کے ساتھ شوق بھی ایک طرح کے تھے(۳) اس لیے دوستی پائیدار ہوگئی جو حکیم صاحب کی آخری عمر تک جاری رہی۔ نواب صاحب شام چار بجے سو کر اٹھتے تھے، اس لیے حکیم صاحب کو کافی وقت اپنے لیے مل جاتا تھا، جس کا انہوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ عربی کی تعلیم کو علامہ محمد طیب مکی (۴) کی شاگردی میں اس قدر جلا دی کہ عربی زبان میں بلا تکلف گفتگو کر سکتے تھے، علامہ نے استاد ہوتے ہوئے بھی حکیم صاحب کو خراج تحسین پیش کیا۔(۵) رامپور کے کتب خانے سے تعلق ۱۸۹۶ء میں ہوا،(۶) جہاں انہوں نے کئی اصلاحات کیں۔(۷) یہیں اپنے طبی تحقیقی مضامین شائع کیے اور عربی کتب کی ایک فہرست ۱۹۰۲ء میں شائع کی۔

رامپور کے نواب انگریز حکومت کے خیر خواہ تھے، بقول غالب، نواب یوسف علی خاں کا انگریز حکومت کے ساتھ رشتۂ دوستی اتنا مضبوط ہے کہ ہزار برس میں بھی کسی طریق اُس کو توڑا نہیں جا سکتا۔(۸) یہ دوستی نواب حامد علی خاں کے دور تک قائم تھی، اس سے حکیم صاحب کو یہ فائدہ ہوا کہ ان کے سامنے رامپور میں مختلف والیان ریاست، سفیر اور انگریز عہدہ دار، جو بھی آئے ان سے ملاقاتیں رہیں اور تعلقات بھی قائم ہوئے، سرسید میموریل سوسائٹی کا وفد ۲۸ جولائی ۱۸۹۹ء کو آیا جس میں محسن الملک بھی شامل تھے۔(۹) محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس اسی دوران یہاں ہوا۔(۱۰)

یہیں رسالہ طاعون ۱۸۹۷ء میں شائع کیا۔ اس رسالے کی طرز تحریر عام کتابوں سے مختلف تھی، مثلاً اس میں عربی خطبہ، روایتی مقدمہ، ابواب، فصول اور خاتمہ نہیں ہے، صرف مرض

اورعلاج کی بحث ہے،اورستاروں سے طاعون کو جوڑنے کی وہم پرستی کی تردید ہے۔(۱۱)

رامپور میں سات تحقیقی مقالات عربی زبان میں ترتیب دیے۔وہ ایک طبی لغت ترتیب دینا چاہتے تھے،لیکن اس کا صرف مقدمہ شائع ہوسکا۔اس مقدمے میں طبی الفاظ کی تشکیل،عمل کی تعریب،لغوی الفاظ کی اصطلاحی معانی میں تقلیب کی بحث کے ساتھ مقبول طبی لغت بحرالجواہر کی غلطیوں کی نشاندہی کی اور اشارہ کیا کہ ایک نئی طبی لغت کی ضرورت ہے۔(۱۲)

اپنے بڑے بھائی حکیم عبدالمجید کے انتقال (۱۹۰۱ء) کے بعد حکیم اجمل خاں دلّی واپس آ گئے،چندسال بعد منجھلے بھائی حکیم واصل خاں بھی پینتالیس سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہو گئے، (۱۹۰۵ء) جس سے بے تحاشہ ذمہ داریاں بڑھ گئیں۔مدرسہ طبیہ کی دیکھ بھال،طبی تعلیم کی اصلاح اورنصاب میں تبدیلیاں، ہندوستان اور یوروپ کے ماہرین کی تحقیقات کو شامل نصاب کرنا، جدید تحقیقات جیسے قارورہ کا کیمیاوی تجزیہ،تھرمامیٹر کا استعمال اوردوسرے آلات تشخیص کی مدد حاصل کرنا اور تعلیم کے لیے اردو زبان کا استعمال،جدید علوم کی کتب کا اردو ترجمہ اورزنانہ طبیہ مدرسہ اورطبیہ کالج کا استحکام اوراُس کے لیے اعانت جیسے کاموں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔

۱۹۱۰ء میں بمبئی میڈیکل ایسوسی ایشن نے میڈیکل رجسٹریشن کی سفارش کی جس کی ضرب طب پر پڑتی تھی،اس سے عام طبیب ناواقف تھے لیکن حکیم اجمل خاں اس کو بھانپ گئے۔حکیم صاحب نے اس کے خلاف عظیم محاذ قائم کیا جس نے طب کو فنا ہونے سے بچالیا۔اس سلسلے میں انھوں نے ہندوستان کے دورے کیے،لکھنؤ کے حکما اور ہندوستان کے وید صاحبان کو ساتھ لیا۔ اسی وجہ سے آیورویدک مہامنڈل نے ۱۹۱۳ء میں حکیم صاحب کو تمغے سے نوازا۔(۱۳) حکیم محمد کریم انصاری نے چوتھی یونانی اور آیورویدک کانفرنس منعقدہ امرتسر ۱۹۱۴ء میں اشعار پڑھے جو حکیم صاحب کے نقطۂ نظر کے صحیح ترجمان تھے:(۱۴)

طبیہ کالج قائم کرنے کے لیے حکیم صاحب نے انتہائی محنت کی،حکیموں اور ویدوں کو ایک جگہ مجتمع کیا،کالج کی آمدنی کے لیے ہندوستانی دواخانہ قائم کیا۔(۱۵)

حکیم صاحب نے مسلم قوم کے حالات کو دیکھ کر،اپنی سمجھ اور اخلاقی ذمہ داری کے تحت سیاست میں حصہ لیا۔اس وقت مسلمانوں کے کیا حالات تھے اس پر ایک نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔

۱۸۵۷ء کی بغاوت کے بعد جو تبدیلیاں انگریز لائے اُس میں ہندی زبان کو بڑھانا، اردو کی حیثیت کم کرنا، انگریزی زبان کو آہستہ آہستہ رائج کرنا، فارسی اور عربی کو ختم کرنا تھا جس کی وجہ سے مسلمان تعلیم سے دور ہوتے گئے،اس کے مقابلے میں ہندوؤں نے عام طور پر اور بنگالیوں نے خاص طور پر انگریزی تعلیم کو اپنایا۔ چارلس ہارڈنگ ویسرائے (۱۹۱۰ءتا ۱۹۱۶ء) نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے(۱۶) کہ ہندوؤں کو تعلیم کا اس قدر شوق تھا اور انگریزوں کی نوکری کے لیے وہ اتنے بے چین رہتے تھے کہ مقامی اخبارات میں اپنے آپ کو نوکریوں کے لیے پیش کرتے تھے، حالانکہ اُن کی تعلیم بھی مکمل نہ ہوتی تھی اور ''بی اے فیل'' کو بطور ایک تعلیمی سند کے استعمال کرتے تھے۔ انگریز مسلمانوں کو بغاوت کا اصل محرک مانتے تھے اس لیے مسلمان تعلیم ،تقرر اور انعامات وعنایات میں بہت پیچھے تھے۔ بغاوت کے دنوں میں حکیم صاحب کے والد اور خاندان کے دوسرے لوگوں کو قیدوبند کی صعوبتیں اٹھانی پڑی تھیں۔(۱۷) زوال کی وجہ سے مسلمان کم سے کم ایک نسل پیچھے رہ گئے تھے۔(۱۸) حکیم صاحب مسلمانوں کے لیے خصوصی مراعات کے حامی تھے۔ مسلمانوں کا ایک نمائندہ وفد جب ویسرائے جون گلبرٹ منٹو سے ملنے ۱۹۰۶ء میں شملہ گیا اس میں حکیم صاحب شامل تھے۔ (۱۹) دلّی سے وہ اکیلے نمائندے تھے، نتیجے میں مسلمانوں کو جداگانہ انتخابات حاصل ہوئے۔(۲۰) تقریباً دو مہینے بعد ڈھاکہ میں محمڈن ایجوکیشنل کمیٹی کی کانفرنس کے بعد مسلم لیگ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء قائم ہوئی۔ اِس کی تجویز نواب سلیم اللہ خاں، ڈھاکہ نے پیش کی اور حمایت سب سے پہلے حکیم اجمل صاحب نے کی۔(۲۱)

دہلی پر انگریزوں کے قبضہ (۱۸۰۳) کے بعد بھی دلی مغل شہر تھا،کلکتہ سیاسی راجدھانی تھا لیکن تہذیبی طور پر دلی والے اپنے ادبی وثقافتی روایات کے دلدادہ تھے۔(۲۲) تعلیم وتربیت میں بقول مولوی نذیر احمد ان کے والد کہا کرتے تھے کہ انگریزی تعلیم حاصل کرنے سے بہتر ہے کہ وہ مر جائیں۔(۲۳) الطاف حسین حالی بھی کہتے ہیں علم،عربی اور فارسی زبان کا سمجھا جاتا تھا، بھول کر بھی انگریزی کا خیال نہ گزرتا تھا۔(۲۴) لیکن یہ ماحول ۱۹۱۱ء کے بعد تبدیل ہونا شروع ہوگیا، کیونکہ اس سال کئی تاریخی واقعات ہوئے،اٹلی نے طرابلس پر حملہ کیا، بادشاہ ایڈورڈ پنجم کا دربار لگا، تقسیم بنگال کا خاتمہ ہوا اور دارالحکومت کلکتہ سے اٹھ کر دلّی آ گیا۔(۲۵) حکیم صاحب کو حکام تک رسائی کے زیادہ

مواقع تھے۔سی ایف انڈریوز کا کہنا ہے کہ ہر شریف آدمی کو حکام کے ہاں حاضر ہونا ضروری سمجھا جاتا تھا، حکیم صاحب محفل کے ایک کونے میں الگ تھلگ رہتے تھے ۔(۲۶) دربار کے بعد ۱۹۱۳ء میں وسیرائے چارلس ہارڈ نگ دلّی آئے، ریلوے اسٹیشن سے کمپنی باغ (۲۷) ہوتے ہوئے چاندنی چوک پر دریبے اور کوتوالی کے درمیان ان پر بم پھینکا گیا،(۲۸) جس سے ان کی جان تو بچ گئی لیکن عرصے تک وہ صاحب فراش رہے۔اسی سال محمد علی، جو ابھی مولانا نہیں ہوئے تھے، اپنے اخبار ہمدرد اور کامریڈ کلکتہ سے دلّی لے آئے اور اسی سال ڈاکٹر انصاری (۲۹) برطانیہ سے آکر دلّی میں ساکن ہوئے، حکیم صاحب اور ڈاکٹر انصاری کے تعلقات یہاں تک بڑھے کہ دونوں نے ہر سیاسی محاذ پر ایک دوسرے کا ساتھ دیا، وہ ترکی مڈیکل مشن ہو، ترک موالات، خلافت یا کوئی اور تحریک ہو دونوں یکجا نظر آتے۔جب کانگریس میں کونسلوں میں داخلے کی وجہ سے تفریق پڑی تو حکیم صاحب اور انصاری مختلف دھڑوں میں تھے، لیکن یہ اختلاف اصولی تھے ذاتی نہیں، دوستی آخر دم تک قائم رہی۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ مسلمانوں کی دینی تعلیم میں زمانے کی ضرورتوں اور خیالات کا لحاظ کرتے ہوئے تبدیلیوں کے لیے ۱۸۹۳ء سے کام کر رہی تھی۔علامہ شبلی نعمانی شروع سے اس کے ساتھ منسلک تھے۔(۳۰) لیکن ندوہ کے کچھ رکن ان کے خلاف تھے اور ان کی اصلاحات کو پسند نہیں کرتے تھے۔(۳۱) یہ اختلافات اتنے بڑھے کہ ۱۹۱۳ء میں حکیم صاحب کو جن کے ندوہ سے ۱۹۱۰ء سے تعلقات تھے ایک مجلس بلانی پڑی، جس پر حکیم صاحب نے الہلال میں لکھا: ”ندوہ اپنے اساس سے روز بروز دور ہوتا جاتا ہے اور اس بات کے خوف کرنے کے وجوہ پائے جاتے ہیں کہ وہ ایک معمولی مدرسے کی صورت نہ اختیار کرلے۔اگر اس خیال سے چند اہل الرائے ایک جگہ جمع ہوں اور ندوہ کی بہتری کے ذرائع پر غور کریں تو میرے خیال میں ایسے جلسے کو بے ضرورت یا مضر بتانے سے بہتر ہوگا کہ اس میں شرکت کی جائے اور صرف انصاف واعتدال کے ساتھ مخالف اور مواقف بیانات کو سن کر ان پر صحیح رائے قائم کی جائے“۔(۳۲)

طبیہ کالج کی نئی عمارت کا سنگ بنیاد مارچ ۱۹۱۶ء میں رکھنے کے لیے ویسرائے چارلس ہارڈنگ کا انتخاب ہوا، ویسرائے پہلے اس کے لیے تیار نہیں تھا(۳۳) میری نظر میں سب سے وجہ یہ تھی کہ ہارڈنگ کو علم تھا کہ بیس کروڑ انسانوں کے اس ملک کو وہ طبی سہولت فراہم نہیں کرسکتا،

دیسی طبی درسگاہوں کو ساتھ لے کر چلنا پڑے گا۔ طبیہ کالج کی عمارت کا نقشہ مشرقی اسلامی طرز تعمیر کا تھا لیکن قریب ہی نئی دلّی کی تعمیر ہو رہی تھی۔ سرکاری حلقوں میں یہ کہا گیا کہ اگر یہ عمارت نئی دہلی سے اور زیادہ قریب ہوتی تو اس کا نقشہ پاس نہیں کیا جاتا۔ عمارت کا افتتاح ۱۹۲۱ء میں گاندھی جی کے ہاتھوں ہوا، ویسرائے اور ان کی بیگم کی بڑی بڑی تصاویر کی رونمائی ہوئی اور کیونکہ دلّی میں پہلے ہی ایک لیڈی ہارڈنگ مڈیکل کالج موجود تھا، اس لیے طبیہ کالج کے زنانہ حصے کا نام لیڈی ہارڈنگ کے نام پر رکھا گیا۔(۳۴)

آغا خاں نے دلّی میں یہ تجویز پیش کی کہ مسلم لیگ کا اجلاس بمبئی میں ہو جہاں کانگریس کا اجلاس ہونا تھا،(۳۵) بمبئی کے اجلاس میں دوسری جماعتوں سے بات چیت کر کے ایک مشترکہ لائحہ عمل طے کرنے کے لیے کمیٹی بنائی گئی جس میں دلی سے تین نمائندے حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری اور محمد علی شامل تھے۔(۳۶) یو پی کانگریس کے ممبران اس اتحاد کے مخالف تھے۔ لیکن موتی لال نہرو نے سمجھایا کہ مقامی اغراض کے مقابلے میں قومی اتحاد کو ترجیح دی جائے، اس طرح مسلم لیگ کا دیرینہ مطالبہ جداگانہ انتخاب، میثاق لکھنؤ میں تسلیم کیا گیا۔ بنگال اور پنجاب کی اکثریت کو گھٹا کر مسلم اقلیتی علاقوں کو آبادی سے زیادہ سیٹوں کا حق دیا گیا۔ حکیم اجمل خان اس کے مخالف تھے، ان کا کہنا تھا، کہ اقلیت کم ہو یا زیادہ، اقلیت ہی رہے گی، پنجاب و بنگال کی اکثریت کو گھٹا کر اقلیت میں تبدیل کرنا نہ مقتضائے انصاف ہے نہ مفید۔(۳۷)

جنگ عظیم کے آخری حصے میں مسلمانوں کے خدشات خلافت کے متعلق شروع ہوئے۔ دلّی کے مسلم لیگ کے اجتماع ۱۹۱۸ء میں ڈاکٹر انصاری نے اور کانگریس کے اجتماع میں حکیم اجمل خاں نے اپنی تقاریر میں خلافت کی حمایت میں آوازیں اٹھائیں۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان دونوں نے ہی خلافت تحریک کی شروعات کی۔(۳۸) رولٹ ایکٹ ۱۹۱۹ء میں نافذ ہوا جس میں حکومت کے خلاف تحریک چلانے والوں کے لیے بہت سخت سزائیں نافذ کی گئیں تھیں، جس پر گاندھی جی نے ستیہ گرہ کی دھمکی دی، اس طرح مسلم لیگ، کانگریس اور خلافت کمیٹیوں نے مل کر تحریک خلافت اور عدم تعاون شروع کیا۔ خلافت تحریک نے پورے ملک کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔(۳۹) سی ایف اینڈریوز نے لکھا ہے کہ ان کی حکیم صاحب سے دوستی آہستہ آہستہ اٹھارہ سال میں بڑھتی رہی، اسی دوران انہوں نے مجھے لکھا

"میرے سیاسی خیالات میں انقلاب ان غیر منصفانہ اور غیر اخلاقی اقدامات کے بعد آئے جو سکہ شاہی نے ۱۹۱۹ء کے آخر میں پنجاب مارشل لا کے دوران کیے"، اینڈریوز کے مطابق ان کے یہ الفاظ حرف بہ حرف صحیح ہیں۔ اس کے بعد جب ۱۹۲۰ء میں معاہدہ سیور (جس میں ترکی کے حصے بخرے ہوئے) ہند کی حکومت کی مرضی سے ہوا تو حکیم صاحب نے گاندھی جی کے ساتھ مکمل تعاون کیا۔(۴۰)

۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۴ء تک حکیم صاحب کے سیاسی عروج کا زمانہ تھا۔ اس دوران انہوں نے مسلم لیگ، جمیعۃ علمائے ہند، آل انڈیا ویدک اور یونانی طبی کانفرنس، جامعہ ملیہ اور کانگریس میں صدارتی خطبات پیش کیے۔ ان خطبات سے ان کے نظریات واضح ہوتے ہیں اس لیے ان کا مختصر جائزہ ضروری ہے۔

مسلم لیگ کے جلسہ ۱۹۱۹ء امرتسر کا صدارتی خطبہ تفصیلی ہے۔ رولٹ ایکٹ کے بعد جلیان والا باغ، دہلی، لاہور، قصور اور گجرانوالہ کے مظالم کی نشاندہی اور مذمت کی، ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا، مسلمانوں سے کہا کہ وہ گائے کی جگہ دوسرے جانور قربان کریں۔ سلطنت عثمانیہ اور مقامات مقدسہ کی حفاظت اور خلیفہ اسلام کے لیے انتہائی موثر انداز میں اپیل کی۔ انگریز حکومت کی ترکی سے متعلق وعدوں کی خلاف ورزیوں کو اجاگر کیا، ایران سے معاہدے پر احتجاج کیا، ان انگریزوں کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے مسلمانوں کی حمایت میں بیانات دیے۔ ہندوؤں اور گاندھی جی کا خلافت سے متعلق ہڑتالوں پر ساتھ دینے کا شکریہ ادا کیا۔ نظر بندان اسلام، محمود الحسن، محمد علی، شوکت علی اور ابوالکلام آزاد کو جیل سے رہا کرنے کی اپیل کی۔(۴۱)

جمیعۃ علماء ہند کے دوسرے سالانہ اجلاس دہلی ۱۹/نومبر ۱۹۲۰ کے صدارتی خطبے میں ترک موالات پر زور ہے، کانگریس، مسلم لیگ اور خلافت کمیٹیوں نے ترک موالات کی تجاویز پاس کردی تھیں لیکن علما ان سے دور تھے اور اس پر اعتراض کرتے تھے کہ اس میں ہندو شامل ہیں، جس کے جواب میں علما کو یاد دلایا کہ حضور ﷺ نے جنگ احد میں قزمان جو ایک مشرک تھا اور رسول مقبول ﷺ کی طرف سے لڑا تھا، پر اپنی خوشی کا اظہار کیا تھا۔ علما کو ترغیب دینے کے لیے اور ترک موالات میں شامل ہونے کے لیے قرآنی آیات ممتحنہ ۲۸ کے حوالہ سے گفتگو کی۔ آپ نے علی گڑھ کالج، خالصہ کالج اور بنارس یونیورسٹی کے طلبہ کو مبارک باد دی کہ انہوں نے پہلے ہی ترک موالات میں شرکت کرلی تھی۔(۴۲) (جاری)

حواشی

(۱)علامہ اخلاق حسین دہلوی، حکیم اجمل خان (دلی والے، ادارت صلاح الدین)، اردو اکادمی ۱۹۸۶ء، ص ۴۳۔ (۲) ان کا تقرر بطور ''زبدۃ الاطبا، عمدۃ الامرا، معالج خاص ومصاحب اختصاص'' ہوا تھا۔ حکیم محمد نجم الغنی، اخبار الصنادید، حصہ دوم، رامپور ۱۹۹۷ء، ص ۵۶۔ (۳) نواب صاحب کو کتابوں سے عشق تھا، تقریباً ایک لاکھ شعر ان کو زبانی یاد تھے، احمد علی خاں شوق، تاریخ کتب خانہ رضا، رضا رامپور لائبریری، ۲۰۰۹ء، ص ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۳۵۔ (۴) قاضی محمد عبدالغفار، سوانح حکیم اجمل خاں، تخلیقات لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۲۹۔ (۵) محمد رضی الدین، حکیم اجمل خاں کی علمی خدمات، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۲۰۰۴ء، ص ۲۴۔ (۶) حکیم رشید احمد خاں، حیات اجمل، عالمی اردو مرکز، دلی، ۲۰۰۲ء، ص ۳۲۔ (۷) تاریخ کتب خانہ رضا، حاشیہ ۳، ص ۱۲، ۱۳۔ (۸) سید معین الرحمٰن، غالب اور انقلاب ستاون، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۱۹۸۸ء، ص ۱۱۲۔ (۹) اخبار الصنادید، حاشیہ ۲، ص ۳۸۷ تا ۳۹۲۔

نواب محسن الملک ۱۸۹۶ء میں نواب صاحب رامپور کی دعوت پر رامپور آئے تھے۔ ایک دن مسلسل پانچ گھنٹے تک قومی ضروریات ومسائل پر گفتگو رہی (محمد امین زبیری، حیات محسن، مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڑھ، ۱۹۳۴ء، ص ۷۴)۔

(۱۰) الطاف حسین حالی، حیات جاوید، اکادمی پنجاب، لاہور، ۱۹۵۷ء، ص ۳۰۲۔

دہلی میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا دسواں اجلاس ۱۸۹۲ء میں ہوا تھا جس میں تعلیمی مردم شماری کی اہم تجویز پاس ہوئی تھی کہ یہ معلوم کیا جائے کہ مسلمان اپنی اولاد کو انگریزی تعلیم کیوں نہیں دلواتے اور اس پر ان کو متوجہ کیا جائے، ایضاً، حیات جاوید، ص ۳۰۷۔

رامپور کا اجلاس چودہواں تھا، ۲۷ دسمبر تا ۳۰ دسمبر ۱۹۰۰ء، رامپور میں بہت شاندار طریقے پر ہوا، ایضاً، حاشیہ ۹، ص ۴۴۶۔ (۱۱) Guy Attewell, Refiguring Unani Tibbi, Orient Longman, Hyderabad, 2007, P.57 (۱۲) حکیم اجمل کی علمی خدمات، حاشیہ ۵، ص ۸۴۔ (۱۳) حاشیہ ۱۱، ص ۱۲۴۔ (۱۴) حاشیہ ۱۱، ص ۱۴۷۔ (۱۵) Zafar Ahmad Nizami, Hakim Ajmal Khan, Ministry of Information, Govt of India, New Delhi, 1988, P.32 (۱۶) Lord Harding of Penhurst, My Indian Years, John Murray, London, 1948, P.23 (۱۷) حاشیہ ۸، ص ۱۳۴۔ (۱۸) سی ایف انڈریوز، مولوی ذکاءاللہ دہلوی، (ترجمہ ضیاءالدین برنی) تعلیمی مرکز کراچی، ۱۹۵۲ء، ص ۱۷۲۔ (میکالے کی یادداشت جس میں انگریزی تعلیم کی سفارش کی گئی تھی،

۱۸۳۵ء میں لاگو کی گئی تھی)۔(۱۹) Ansar Zahid Khan (ED) Journal of Pakistan Historical Society, July-December, 2007, P.37 (۲۰)انگریزی اخبار دی ٹائمز نے اپنے ۲/اکتوبر ۱۹۰۶ء کی اشاعت میں اس وفد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ مسلمان بیس برس سے خاموش ہیں، انہوں نے مذہبی منافرت یا سیاسی جذبات برطانوی حکومت کے خلاف ظاہر نہیں کیے جس طرح بنگال کے ہندو شورش کر رہے ہیں............ ہندوستان میں پارٹیاں مذہب اور نسلی بنیاد پر قائم کی جاتی ہیں، اس لیے جو نسل زیادہ ہوگی وہ فاتح ہوگی۔ "The Mamoirs of Aga Khan, Cassell and Company, London, 1954, P.75-76" (۲۱)ایضاً، حاشیہ ۱۹، ص ۵۸۔ (۲۲) Narayani Gupta, Delhi Between Two Empires, Oxford, Delhi,1981, P125 (۲۳)ایضاً، حاشیہ ۲۲، ص ۷۔(۲۴) مولوی عبدالحق، مرحوم دہلی کالج، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی ۲۰۱۷، ص ۲۱-۲۲۔(۲۵)ایضاً، حاشیہ ۲۲، ص ۱۹۸۔(۲۶)ایضاً، حاشیہ ۲۲، ص ۱۹۶۔ ایضاً حاشیہ ۱۹، وقارِ حیات، ص ۶۸۹-۶۹۰۔ (۲۷) C.F.Andrews, Emiment Indians, Natesan & Co, Madras, 1922, P9,10 (۲۸) چاندنی چوک میں جس باغ کو ملکہ کا باغ کا نام دیا گیا تھا وہ دراصل بیگم کا باغ تھا جو جہاں آرا بنت شاہجہاں کے نام پر تھا۔ ملا واحدی، میرے زمانے کی دلی، انجمن ترقی اردو، پاکستان، کراچی، ۲۰۰۰، ص ۱۳۹۔(۲۹) بم پھینکنے والوں نے پنجاب نیشنل بینک چاندنی چوک میں پناہ لی تھی (نرائنی گپتا حاشیہ ۲۲، ص ۱۹۶)۔(۳۰) ڈاکٹر انصاری کا تعلق غازی پور سے تھا، یہ حکیم نابینا کے چھوٹے بھائی تھے۔ حکیم نابینا کی وجہ سے ان کو نظام حیدرآباد نے برطانیہ میں تعلیم کے لیے وظیفہ دیا تھا۔ "Mushir-ul- Hasan, M. A. Ansari, Manohar, New Delhi, 2010, P.25" (۳۱) ایس۔ایم۔اکرام، یادگار شبلی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲، ص ۲۸۲۔(۳۲) شبلی نعمانی، مقالات جلد ہشتم، دارالمصنّفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ص ۴۷۔(۳۳) الہلال، ۲۶/اپریل ۱۹۱۳، ص ۳۴۵۔(۳۴) ظل الرحمٰن، حکیم اجمل خاں، نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا، نئی دہلی، ۲۰۰۴، ص ۲۴۔(۳۵) Metacalf, B.D, Hakim Ajmal Khan (ED. Frykenberg, R.E.) Delhi Through the Ages, Oxford, Delhi, 1993, P.196-202. (۳۶) Frances Robinson, Seperatism Among Indian Muslims, Cambridge, 1974, P.243 (۳۷)ایضاً، حاشیہ ۳۴، ص ۸۳۔(۳۸)ایضاً، حاشیہ ۴، ص ۱۱۵۔(۳۹)ایضاً، حاشیہ ۳۶، ص ۲۹۲۔(۴۰)ایضاً، حاشیہ ۱۵، ص ۱۵۰۔(۴۱) لقاء الرحمٰن، خطبات اجمل، عالمی اردو مرکز، دہلی، ۲۰۱۴ء، ص ۱۱۔(۴۲)ایضاً، ص ۷۵۔

اخبار علمیہ

’’پتھر پر کندہ قرآنی آیات کی دریافت‘‘

سعودی عرب کے جنوب مغربی علاقہ عسیر میں چٹانی پتھر پر کندہ قرآنی آیات ملی ہیں جن کے متعلق خیال ہے کہ یہ اسلام کے ابتدائی دور کی ہیں۔ پتھر کا یہ ٹکڑا عسیر میں سعیدالاکلبی نامی شخص کو تفریح کے دوران ملا۔ یہ رسم الخط اس وقت کا ہے جب تحریروں میں اعراب کا استعمال نہیں ہوتا تھا۔ اکلبی نے اس پتھر کو محکمۂ آثار قدیمہ کے حوالے کر دیا۔ سیاحتی کمیٹی کے علاقائی ڈائریکٹر عبداللہ کا کہنا ہے کہ ماہرین کے تجزیہ کے بعد یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ اس وقت کی تحریر ہے جب قرآنی آیات کو محفوظ کرنے کے لیے چٹانی پتھروں اور بھیڑ وغیرہ کی کھالوں اور لکھنے کے لیے خنجر یا نوک دار چیز کا استعمال کیا جاتا تھا۔ ان کے بیان کے مطابق پتھر پر قرآنی آیات نقش ہیں۔ ان کو مزید بہتر کر کے عجائب گھر میں رکھنے کے لیے ماہرین آثار قدیمہ کے حوالہ کر دیا گیا ہے۔ اس قسم کے نوادرات اس سے قبل بھی اس علاقہ میں مل چکے ہیں اور انہیں محکمۂ آثار قدیمہ کے سپرد کیا جا چکا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ ممکن ہے اس علاقہ سے اس زمانہ میں کوئی قافلہ گزرا ہو اور اس کے سامان سے یہ پتھر گر گیا ہو۔ محکمہ آثار قدیمہ نے سعیدالاکلبی کی اس اطلاع پر شکریہ ادا کیا اور انہیں تعریفی سند سے بھی نوازا۔ (سیاست، حیدرآباد، ۵ مئی ۲۰۱۹ء، ص ۴)

’’امریکی سائنسدانوں کا انتباہ‘‘

ناسا کے ماہرین فلکیات نے اس خطرے کا امکان ظاہر کیا ہے کہ زمین سے بڑا ایک نامعلوم سیارہ انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ اس کی جانب بڑھ رہا ہے اور یہ اگلی دہائی میں کسی بھی وقت اس سے ٹکرا جائے گا جس سے کرۂ ارض تباہ اور اس کے باشندے صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو جائیں گے۔ اس خلائی تحقیقی ادارہ کے اعلیٰ حکام نے امریکی فوج سمیت فیڈرل ایمرجنسی، مینجمنٹ ایجنسی، اعلیٰ حکومتی و انتظامیہ افسران سے ٹکرانے کی صورت میں ہنگامی اقدامات بروئے کار لانے پر گفتگو، اس عفریت سے نجات پانے کے لیے کئی حلیف ممالک کے سائنسدانوں سے تبادلہ خیالات

اورمشترکہ حکمت عملی اختیار کرنے پر اتفاق کیا ہے۔اس سے امریکی قیادت کے اندرخوف وہراس کا اندازہ ہوتا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ اگرچہ اس سے قبل متعدد بڑے شہابوں سے زمین کے بعض حصوں اورانسانوں کوخطرات لاحق ہو چکے ہیں مگراس بار یہ خطرہ نہیں بلکہ بہت بڑی حقیقت ہے، فی الحال ناسا کی جانب سے کیے جانے والے اقدامات اورسائنسی تجربوں میں ''ڈبل اسٹرا ایڈ زری۔ڈائریکشن ٹیسٹ'' شامل ہے جس کے تحت کسی بھی سیارہ کا رخ تبدیل کرنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔واشنگٹن میں منعقدہ ''ڈیفنس کانفرنس'' میں ناسا ایڈمنسٹریٹر جم برائیڈنسٹائن نے خطاب کے دوران کہا کہ بڑے سائز کے شہابیے زمین سے ٹکراتے ہیں تو بڑے پیمانے پرتوانائی کی لہروں کا اخراج ہوتا ہے۔ اس کی مثال ۲۰۱۳ء میں روسی شہر Chelyabinsk میں گرنے والے ایک بڑے شہابیہ کی ہے کہ جب وہ گراتھا تو اس سے جوتوانائی خارج ہوئی تھی وہ ہیروشیما پر گرائے جانے والے ایٹم بم سے ۳۰ گنا زیادہ تھی ۔ اس سے ۱۶۰۰ روسی شہری شدید زخمی اورسیکڑوں مکانات اور جانوروں کو نقصان پہنچا تھا۔اسی دوران ایک اور بڑے شہابیے نے زمین کا رخ کرلیا تھا لیکن خوش قسمتی سے اچانک اس نے کسی اور جانب اپنا راستہ بدل لیا۔(منصف،حیدرآباد، ۴ مئی ۲۰۱۹ء،ص ۸)

''امریکی صدر کے جھوٹ کا ریکارڈ''

''واشنگٹن پوسٹ'' کے فیکٹ چیکرز کالم میں لکھی تفصیلات کے مطابق موجودہ امریکی صدر کا ہر پانچواں دعویٰ یا بیان جھوٹ پر مبنی ہوتا ہے۔انہوں نے اپنی صدارت کے آٹھ سوایام میں ۱۰ رہزار سے زائد جھوٹ بولے اورغیر حقیقی دعوے کیے۔امریکی صحافی گلین کیسلر کا کہنا ہے کہ رواں ہفتہ (یعنی اپریل کے آخر سے ۳ مئی کے دوران) صدر نے ریکارڈ توڑ جھوٹ بولا اور ۸۲۸ دنوں میں ۱۰۱۱۱ بار جھوٹ بول کرعوام کوگمراہ کیا اوراس پر انہیں کوئی شرمندگی نہیں ہے۔ رپورٹ کے مطابق انہوں نے روزانہ کے حساب سے اوسطاً ۲۳ جھوٹ یعنی تقریباً ہر گھنٹہ میں ایک جھوٹ نہایت ڈھٹائی سے بولا۔انہوں نے شاہ سلمان ،کنیڈین وزیر اعظم جسٹن ٹروڈ اور برطانوی ملکہ الزبتھ کے بارے میں جھوٹ بولے ۔ برطانوی ملکہ کوملاقات کے لیے انہوں نے ۱۷ رمنٹ انتظار کرایا، جب برطانوی ذرائع ابلاغ نے ان کی آمد کوتنقید کا نشانہ بنایا توانہوں نے

کہا کہ میں تو پہلے سے موجود تھا۔ اسی طرح امریکی الیکشن میں روسی مداخلت کا معاملہ ہو یا افغانستان میں امریکی فتح کا دعویٰ۔ تازہ ترین جھوٹ میں امریکی صدر نے شاہ سلمان پر یہ بے بنیاد اور گھناؤنا جھوٹا الزام لگایا ہے کہ ۲۰۱۷ء میں سعودی عرب کے دورے کے دوران شاہ نے ان کی اہلیہ کی متعدد بار دست بوسی کی اور وہ خاتون اول پر فریفتہ ہیں۔ ان کے اس سفید جھوٹ پر امریکی میڈیا آؤٹ لٹس نے تنقید کی ہے اور لکھا ہے کہ ویڈیو فوٹیج سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہ سلمان نے بڑے احترام کے ساتھ ہاتھ ہلا کر ان کا استقبال کیا تھا۔ (منصف، حیدرآباد، ۳ مئی ۲۰۱۹ء، ص ۶)

''مکہ مکرمہ کا کلاک ٹاور میوزیم زائرین کے لیے کھولا گیا''

مکہ کا کلاک ٹاور یوں تو پورے سال زائرین کے لیے کھلا رہتا ہے تاہم امسال رمضان المبارک میں اس کا چار منزلہ میوزیم بھی زائرین کے لیے کھول دیا گیا ہے اور پورے مہینہ کھلا رہے گا۔ اس میوزیم کی تفصیلات کے متعلق جو خبر شائع ہوئی وہ دلچسپ اور قارئین کے لیے نئی ہے۔ رپورٹ کے مطابق اس کی پہلی منزل پر نظام شمسی کی مکمل عکاسی کے بعد وقت کے تعین، کائنات اور کہکشاؤں بلکہ پورے نظام شمسی کی گردش کی وضاحت جدید ترین طریقوں سے کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ دنیا کی سب سے بڑی گھڑی کی تنصیب، اس کے مختلف مراحل اور دنیا کی بڑی کمپنیوں کے اشتراک کی تفصیل بھی فراہم کی گئی ہے۔ دوسری منزل میں وقت اور یہاں مختلف ادوار میں گھڑیوں کی ایجاد، تیسری منزل میں کائنات کے رازہائے سربستہ کے بارے میں مجسم عکاسی اور سورج اور چاندگرہن کے مختلف ادوار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ چوتھی منزل پر خلا اور سیاروں کے متعلق معلومات مہیا کی گئی ہیں۔ ٹاور کے سب سے بلند مقام ''شرفہ'' سے پورا شہر دیکھا جاسکتا ہے۔ ۲۵ کلومیٹر دور سے چاروں طرف سے گھڑی اور اذان کے وقت ایل ای ڈیز روشنیاں دکھائی دیتی ہیں۔ (منصف، حیدرآباد، ۳ مئی ۲۰۱۹ء، ص ۹)

(ک۔ص، اصلاحی)

بابُ التقریظ والانتقاد

ثواقب المناقب اولیاء اللہ

(مولانا جلال الدین رومی کے مناقب پر شائع شدہ کتاب پر ایک تبصراتی خط)

ڈاکٹر معین نظامی

مولانا جلال الدین محمد بلخی رومی (۶۰۴-۶۷۲ھ) اوران کے متعلقین کے حالات ومناقب پر شمس الدین احمد افلاکی عارفی (وفات: رجب ۷۶۱ھ) کی فارسی کتاب مناقب العارفین بہت معروف اورمقبول رہی ہے۔کچھ تو اس کی غیر معمولی ضخامت اور بعض رطب ویابس روایات کے باعث، بعد کے زمانوں میں اس کی تلخیصات تیار ہوئیں۔ایک تلخیص عبدالوہاب بن جلال الدین محمد ہمدانی (وفات: ۹۵۴ھ/ ۱۵۴۷ء) نے ثواقب المناقب اولیا اللہ نام سے تیار کی۔کتاب کا نام تاریخی ہے اوراس کے سال تالیف ۹۴۷ھ پر دلالت کرتا ہے۔راقم السطور نے تین قلمی نسخوں کی مدد سے اس کی تدوین وتصحیح کی اورمؤلف کے حالات، کتاب اوراس کے نسخوں کے تعارف پر مشتمل ایک مقدمہ لکھ کر، اشاریوں سمیت، اسے ۲۰۱۱ء میں مرکز پژوہشی میراث مکتوب، تہران سے شائع کروایا۔شائع شدہ کتاب کا نسخہ اپنے فاضل اورمخلص دوست پروفیسر ڈاکٹر معین نظامی (سابق صدر شعبۂ فارسی جامعہ پنجاب، لاہور) کی خدمت میں پیش کیا۔انھوں نے کتاب کو بالاستیعاب پڑھا اور بے حد اخلاص کے ساتھ اپنی آراء کا اظہار میرے نام ایک طویل مکتوب (محررہ ۱۹ نومبر ۲۰۱۱ء) میں کیا۔بہ صورت مکتوب، تبصرہ نگاری کا یہ ایک عمدہ نمونہ ہے۔ اب اس نوعیت کی مکتوب نگاری اورتبصرہ نویسی دونوں ہی کمیاب ہوتے جارہے ہیں۔ڈاکٹر نظامی صاحب کی اجازت سے یہ مکتوب یہاں بہ طور تبصرہ وانتقاد شائع کیا جارہا ہے۔ڈاکٹر نظامی صاحب نے اشاعت سے قبل یہ تبصرہ ایک بار پھر ملاحظہ کیا اور آخر میں مختصر حواشی کا اضافہ کیا جو اصل مکتوب میں شامل نہیں ہیں۔

(عارف نوشاہی)

☆ پروفیسر گرمانی مرکز زبان وادب، لمز، لاہور۔

مکتوب

حضرتِ والا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ثواقب المناقب اولیا اللہ جیسی اہم کتاب کی شایانِ شان اشاعت پر دلی مبارک باد قبول فرمایئے۔رومی شناسی کے میدان میں اس کی اہمیت مسلّم ہے اور دبستانِ رومی کی شناخت کا حق، اس کے مطالعے کے بغیر ادا نہیں ہوتا۔اسے ''جوہر مناقب العارفین'' کہنا چاہیے اور ''لب الالبابِ افلاکی''۔عجیب اتفاق ہے کہ افلاکی، حضرتِ عارف چلپی کا مرید راسخ الاعتقاد تھا، اور اس کی کتاب کی تلخیص، انتخاب، اور تبویب پر مبنی ثواقب کی تدوین جس کے حصے میں آئی، وہ بھی عارف ہے۔مناقب العارفینِ افلاکی کی اہمیت و مقبولیت پہلے بھی اظہر من الشّمس تھی اور اس حسنِ اتفاق سے تو میرے دل میں اس کی منزلت اور بڑھ گئی ہے۔افلاکی کی خدمت رائیگاں نہیں گئی اور وہ دولت قبول سے سرفراز رہا اور رہے گا۔

ثواقب کے مؤلف کو کسی ''ظریف'' نے خوب کہا تھا:

''شیخ عارفی برای تو این مسوّدہ را جمع نمودہ وگذاشتہ کہ بہ بیاض بَرَی''۔(ص:۳)

خود صاحبِ ثواقب کا مسودہ بھی مستور و مہجور رہا اور آپ کی سعی مشکور نے اسے حیات نو دی۔گویا:

''ای عارف نوشاہی! شیخ عبدالوہاب ہمدانی برای تو این مسودہ را جمع
نمودہ وگذاشتہ کہ بہ تصحیح و چاپش پردازی و اثر و صاحب اثر را دوبارہ زندہ کنی!''

سبحان اللہ کہ آپ نے یہ ذمہ داری بہ طریق احسن نبھائی۔قونیہ شریف کی حاضریاں، وہاں طاری ہونے والی کیفیات اور مولانا اور ان کے آثار و اخلاف سے ارادت مقبول ٹھہری اور بلا شبہ ثواقب کی یہ اشاعتِ جمیل، مقدمہ ثابت ہوگی اور بارگاہ مولانا میں حاضری اور مقبولیت کے نئے دریچے اور راستے کھولنے کا باعث ہوگی، ان شاء اللہ۔

میراثِ مکتوب تہران نے بھی کتاب کی اشاعت میں خصوصی دلچسپی لی اور اس کے حسن ظاہر پر خاصی توجہ صرف کی، جس سے کتاب کا جمال معنوی مزید نکھر کر سامنے آیا۔افسوس ہے کہ پاکستان میں مشرقی علوم و فنون کی کتابیں اتنی خوب صورت شائع نہیں ہوتیں، نہ ان کی پیش کش میں اتنی دقت نظر سے کام لیا جاتا ہے۔آپ کا شکریہ بھی واجبات میں سے ہے اور اکبر ایرانی کا بھی، کہ

دونوں نے اس دریائے فیضان سے محظوظ ہونے کا موقع فراہم کیا۔ اللہ تعالی ہر اس شخص کو اجر خاص سے نوازے جس نے اس ضمن میں کچھ بھی کام کیا ہے۔

آپ نے ۲۸ اکتوبر ۲۰۱۱ء کو مجھے کتاب کا ایک نسخہ عنایت فرمایا۔ ڈاکٹر نجدت طوسون کی میزبانی، خاندان میں متعدد شادیوں اور کچھ دفتری مصروفیات میں ناگوار اشتغال کے باعث میں اسے سرسری طور پر ہی دیکھ پایا۔ تا آں کہ آپ نے ای میل پر تحریک کی کہ میں جلد اس کا بہ نظر غائر مطالعہ کرلوں اور سابق روایت کے مطابق مفصل رائے اور تبصرہ پیش کروں۔ چنانچہ ۱۵ سے ۱۸ نومبر ۲۰۱۱ء تک امتثال امر میں، میں نے پوری کتاب غور سے پڑھ لی، بے حد لطف اٹھایا، آپ کی محنت کی داد دی اور آپ کے لیے دعا کی کہ اللہ آپ سے ایسی دیگر بہت سی خدمات بھی لے!

ثواقب المناقب اولیا اللہ کی زیر نظر اشاعت آپ کی تدوینی تحقیق کا بہت عمدہ نمونہ ہے۔ تصحیح متن کے میدان میں یہ ایک قابل تعریف کاوش ہے۔ مطالعے کے دوران، میں حسب معمول کچھ نشانات بھی لگاتا رہا۔ اب دیکھتا ہوں تو نشانات کی تعداد خاصی ہے۔ ان سب کے بارے میں وضاحت اور تفصیل سے لکھنے لگوں تو ''مثنوی ہفتاد من کاغذ شود''(۱) والا معاملہ ہو جائے گا۔ میرے خیال میں بہتر یہی ہوگا کہ آپ عندالملاقات یہ نسخہ ملاحظہ فرمالیجیے گا اور اگر کوئی وضاحت طلب امر ہوا تو میں اپنی معروضات پیش کردوں گا۔ نشان زد مقامات بعض کلّی امور سے متعلق ہیں اور بعض کی نوعیت جزئی ہے۔ میرے ملاحظات میں غلطی کا امکان اپنی جگہ پر موجود ہے۔

کسی خاص ترتیب کے بغیر، یہاں ان کا ملخص پیش کردیتا ہوں، جس سے کافی حد تک اندازہ ہو جائے گا کہ نشانات کن کن پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے لگائے گئے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے اطلاع دی ہے کہ کتاب کی تقریب رونمائی بھی زیر غور ہے، اگر اس سلسلے میں ناگزیر ہوا تو انہی نکات کی روشنی میں مجھے کچھ لکھنے میں بھی آسانی رہے گی۔ (۲) ظاہر ہے کسی تقریب میں متوازن گفتگو کرنے کے لیے تو ان ملاحظات کا کڑا انتخاب بھی کرنا ہوگا اور شاید عمومی تاثر بیان کردینا ہی کفایت کرے گا۔ توجہ طلب گزارشات کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ کتاب میں حواشی و تعلیقات کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ تعلیقہ نویسی کی کافی گنجائش موجود تھی، اگر یہ کام بھی انجام پذیر ہوتا تو یہ کتاب بین الدفتین خود مکتفی ہو جاتی۔

۲۔ ثواقب اور مناقب کی روایات کا باہمی تقابل، ایک مختصر ذیلی عنوان کے تحت یا تو مقدمے میں آ جاتا یا تعلیقات میں شامل کرلیا جاتا۔ یہ تقابلی مطالعہ دونوں متون کی افادیت بڑھا دیتا اور

رومی شناسی میں بھی ایک سنجیدہ اضافہ ہوتا۔

۳۔مقدمے میں تصحیحات مؤلف کی بحث صفحہ بیست و پنج تا بیست و ہفت، تشنہ سی لگتی ہے۔''فقط یک نمونہ از تنقیحات ہمدانی'' پر کیوں اکتفا کیا گیا؟ اس اختصار کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔مزید برآں ان تنقیحات و تصحیحات پر تنقیدی بحث نہیں کی گئی، جس کی وجہ سے مقدمے پر دست یاب معلومات کے بیان محض کا رنگ غالب آ گیا ہے۔

۴۔احوال مؤلف کم مل پائے، اور ظاہر ہے ان پر اپنی طرف سے کیا اضافہ کیا جا سکتا تھا! لیکن چند جملے اس مضمون کے لکھے جا سکتے تھے کہ کوشش کے باوجود مزید احوال و کوائف نہ مل سکے، مصر اور مدینہ میں ان کا کیا شغل اور مصروفیات تھیں، شادی کی تھی یا نہیں، اولاد کے بارے میں معلومات وغیرہ، یہ سب تفصیلات فراہم نہیں ہوئیں اور مؤلف کی سوانح کے کئی گوشے نظروں سے اوجھل ہی رہ گئے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

۵۔مقدمے میں دیے گئے مؤلف کے نمونۂ کلام کو از روے احتیاط ''گمان می رود......'' کہہ کر متعارف کروایا گیا ہے۔یہ وہی اشعار ہیں جو خود ثواقب میں موجود ہیں۔مؤلف سے ان کا انتساب قطعی ہے، ظنی نہیں ہے۔''نمونۂ اشعارِ مؤلف'' کے ذیل میں مقدمے کی عبارت سے یہی لگتا ہے کہ ثواقب میں صرف انھی دو مقامات پر مؤلف کے اشعار ملتے ہیں، جب کہ ص: ۱۸۴ اور ۱۸۵ پر موجود مثنوی بھی مؤلف ہی کی ہے۔ان نمونوں میں کئی قرینے انھیں مؤلف ہی کا کلام ثابت کرتے ہیں۔''وہّابی'' تخلص کے استعمال کی شہادت سب سے قوی ہے۔ایک اور قرینہ یہ ہے کہ مؤلف کو علاء الدولہ سمنانی سے بہت لگاؤ تھا، جس کا اظہار ان کی تنقیحات و تصحیحات میں بھی ہوا ہے اور ان اشعار میں بھی۔ایک اور اہم قرینہ سبک شناسی شعر کے ذیل میں ہے اور وہ یہ کہ مؤلف معمولی درجے کے ناظم تھے اور یہ سب نمونے یکساں طور پر سپاٹ اور بے جان سے ہیں؛ مقدمے میں مؤلف کی شاعری پر سرے سے کوئی رائے ہی نہیں دی گئی، حالاں کہ ثواقب میں موجود نمونوں اور دو دوسرے منظوم رسائل کی روشنی میں اس کی خاصی گنجائش بھی تھی اور ضرورت بھی۔

۶۔اسی طرح مؤلف کی نثر کے اسلوب پر قطعاً کوئی تبصرہ نہیں کیا گیا۔مقدمے اور خاتمے کے علاوہ، ثواقب میں مؤلف کی کچھ مناجاتیں بھی ہیں جن سے ان کا انداز تحریر متعین ہو سکتا ہے۔عبدالوہاب ہمدانی کی اپنی نثر بھی، افلاکی کی نثر کے جملہ ''نواقص'' کی حامل ہے۔یعنی مصنوع، متکلف، مسجع، مقفیٰ، مترادفات اور شاعرانہ انداز بیان کی حامل ہے، جب کہ مؤلف نے انھی

خصوصیات کو اسلوب افلاکی میں ناپسند کیا ہے۔لطف کی بات یہ ہے کہ اس کے باوجود افلاکی کی نثر زیادہ جاندار اور زیادہ پرکشش ہے۔شاید اس کا سبب وہ ذوق وشوق ہو جو بہ ہر طور افلاکی کو زیادہ نصیب ہوا تھا۔ ہمدانی اگر نثر مرسل اختیار کرتے تو ثواقب کی ضخامت مزید کم ہو جاتی۔

چند مقامات پر ہمدانی نے بھی مکرر روایات درج کی ہیں اور دو تین تکراری ابیات بھی۔

۷۔مقدمے میں ''منابع ثواقب المناقب'' کے ذیل میں تذکرۃ الاولیاء کا ذکر رہ گیا۔ ص:۱۹۰-۱۹۱ پر مؤلف کے تذکرۃ الاولیاء سے بہ راہ راست استفادے کا ذکر موجود ہے۔

۸۔ ہمدانی نے بہت عمدگی سے مناقب العارفین میں بکھری ہوئی روایات کو مختلف ابواب میں سمیٹا ہے۔اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے،کم ہے۔مگر کیا یہ ہمیں مناقب سے مستغنی کر دیتی ہے؟نہیں!انتخاب کرنے والا اپنے معیارِ انتخاب سے آگاہ کرتا ہے،جو ہمدانی نے بھی کیا ہے،لیکن ان کا معیارِ انتخاب ایسا ہے جس سے اختلاف بھی کیا جا سکتا ہے۔ان کے قائم کردہ معیار کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں خود مثنوی معنوی اور مقالات شمس وغیرہ جیسے سلسلۂ مولویہ کے امہات متون کی تنقیح بھی کرنا ہوگی۔انھوں نے بعض روایات کی معذرت خواہانہ تاویلات کی ہیں جن سے شاید بہت سوں کو اتفاق نہ ہو۔ہمیں یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ وہ بہ ہر حال ایک نقشبندی صوفی تھے اور خانوادۂ مولویہ سے بھی ارادت رکھتے تھے اور ان کا یہ اجتہاد،خلوص پر ہی مبنی تھا،اگر چہ میری نظر میں صواب نہ تھا،خطا تھا،پھر بھی [وہ] ایک اجر کے حق دار تو ہو گئے!

۹۔ہمدانی کا علم وفضل اور قوتِ استدلال بھی سزاوار ستائش ہے۔انھیں بات سمجھانے کا فن بہ خوبی آتا ہے۔روایات کے مختلف پہلو سامنے رکھ کر،ان کی ممکنہ تشریحات کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ خوب استخراج مطالب کرتے ہیں۔استنباط کی یہ استعداد اس بات کی دلیل ہے کہ وہ معقولات میں اعلیٰ پایہ رکھتے تھے۔منطق کی نظری تعلیم اور عملی مزاولت کے بغیر استنباطِ نتائج کا یہ ہنر نہیں آتا ہے۔اس پر مقدمے میں داد وصول کرنا مؤلف کا استحقاق تھا۔

۱۰۔معین الفقرا نے خلاصۃ المناقب میں کوئی معیار تلخیص بتایا یا نہیں؟کیا افلاکی کی روایات کو اپنی نثر میں بیان کیا؟''خلاصہ'' اور''ثواقب''میں سے کون سی کتاب بہتر ہے اور کن وجوہات پر؟ خلاصۃ المناقب کے بعد ہمدانی کو پھر سے تلخیص مناقب کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ان سوالوں کے جوابات کے لیے آپ ہی سے استغاثہ کیا جا سکتا ہے۔نیز خلاصۃ المناقب کی تصحیح اور اشاعت کی سبیل بھی نکلنا چاہیے۔(۳)

۱۱۔ثواقب کے نسخہ N کو بنیاد بنایا گیا ہے جب کہ اس میں تو متعدد عبارات چھوٹی ہوئی ہیں جنھیں دوسرے نسخوں سے مکمل کیا گیا ہے۔N کا اقدم ہونا، (کیا) اس کے بنیاد بنائے جانے کے لیے کفایت کرتا ہے؟ جب کہ اس میں املا کے بھی کئی مسائل ہیں اور کئی اوراغلاط بھی ہیں جنھیں غالباً عبدالرحیم نے درست کیا۔گویا عبدالرحیم کی دسترس میں ثواقب کے کچھ اور نسخے بھی تھے۔

۱۲۔N کو نسخۂ اساسی قرار دیا گیا ہے اور بہت سے مقامات پر دوسرے نسخوں کے الفاظ و عبارات کو اختیار کر کے متن میں رکھا گیا ہے۔ایسی صورت میں یہ تصحیح التقاطی کے قریب تر صورت ہوگئی یعنی زیادہ اعتماد N پر ہی کیا گیا، البتہ مختلف قرائن کی روشنی میں بہت سی جگہوں پر دوسرے نسخوں پر بھی اعتماد کیا گیا۔ایسے میں ''نسخۂ اساسی'' کی تخصیص نہ رہی۔

۱۳۔متن میں شامل بہت سی آیات کا استخراج نہیں کیا گیا۔عربی عبارات کا ترجمہ بھی نہیں ہے۔

۱۴۔احادیث کے استخراج کا اہتمام نہیں کیا گیا۔کیا اس لیے کہ رومی شناسی کے دیگر منابع میں زیادہ تر یہی احادیث موجود ہیں اور ان کا استخراج کیا جا چکا ہے؟ لیکن اگر اس کتاب میں بھی تکرار ہو جاتا تو قاری اور محقق کو سہولت ہو جاتی۔

۱۵۔متن میں بیشتر اشعار مثنوی معنوی کے ہیں، اس کے بعد سعدی کے اور بعض دیگر شعرا کے۔ان کا استخراج یا تعین بھی موجود نہیں ہے۔یہ بھی اندازہ نہیں ہوتا کہ کون کون سے اشعار افلاکی نے استعمال کیے ہیں اور کون کون سے ہمدانی نے، قیاس کرنا پڑتا ہے کہ افلاکی کے بعد کے شعرا کا کلام تو یقیناً ہمدانی نے ہی شامل کیا ہوگا۔پاورقی میں دو تین مقامات پر اشعار پر حاشیہ لکھا گیا ہے، مگر کوئی حوالہ نہیں دیا گیا ماٰخذ کا۔

۱۶۔فہرستوں میں آیات و احادیث کی فہرستیں بھی شامل ہو جاتیں تو اچھا ہوتا۔ضخامت بھی زیادہ نہ بڑھتی۔

۱۷۔املا اور نقطہ گذاری میں کوئی ایک روش نہیں اپنائی گئی۔مختلف مقامات پر، بعض اوقات ایک ہی صفحے پر، مختلف صورتیں ملتی ہیں جو الجھن کا باعث بنتی ہیں۔بعض الفاظ کے متصل یا منفصل لکھنے میں اور جملۂ معترضہ کے اول و آخر کوئی ایک علامت اختیار کر لینے میں عافیت ہو جاتی۔ایسا ہی ایک گراں گذرنے والا معاملہ ''کہ'' کا ہے، جس کے بعد کہیں ''،''، کہیں ''؛'' کہیں '':'' اور

کہیں کچھ بھی نہیں ہے۔ کچھ عربی عبارتیں موٹی لکھی ہوئی ہیں اور کچھ باریک۔ ''اند'' کہیں الف کے ساتھ ہے اور کہیں بغیر، کہیں کامے لگے ہوئے ہیں، کہیں نہیں لگے۔ ''بہ'' کو ملا کر لکھنے یا جدا لکھنے میں تذبذب ہے......، کہیں ''آوان'' ہے، کہیں ''اوان''؛ کہیں ''لاذیق'' ہے، کہیں لا دیق۔ ہر جگہ ''خشنود'' ہے، سوائے ایک جگہ کے، ہر جگہ کاربان، کاربان سرای وغیرہ ہے سوائے ایک جگہ کے۔ خشنود اور کاربان ہی بہتر تھا کہ یہ خصوصیاتِ مؤلف یا نسخہ میں سے ہے۔ ''است''، ''اش''، ''ات''، ''می'' کے اتصال وانفصال میں کوئی ایک طریقہ نہیں اپنایا گیا۔

۱۸۔ اب تصحیح کے حوالے سے چند ضروری نکات عرض کرتا ہوں:

☆ بیرونی سرورق کی پُشت پر رومی کا سالِ ولادت سہواً ۵۰۴ھ درج ہو گیا ہے۔ اصل سال ولادت ۶۰۴ھ ہے۔

☆ ص نوزدہ، س ۶: شعر کے دونوں مصرعے غلط ہیں، ص: ۳۳ پر یہی شعر بالکل درست ہے۔

☆ ص سی و یک: ویژگی ہای املایی ...... یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ کاتب اکثر...... ''ہ گان'' لکھتا ہے۔ جس کی تقلید میں مصحح نے بھی بیشتر ایسے الفاظ کو اسی طرح رہنے دیا اور تصحیح نہیں کی مثلاً: شکستہ گان: ص: ۱۹۱۔ بہت سی مثالیں اور بھی ہیں۔ ص: ۲۱۹ پر اس کے خلاف دیوانگان بھی ہے۔

☆ ص: ۵، س ۱۰: موضعی اغلاقی درست ہے۔

☆ ص: ۱۴، س ۲۰: تفرقۂ لازم کی جگہ ''تفرقہ ای لازم'' ٹھیک ہے۔

☆ ص: ۵۲، س ۲۱: یہ آیت نہیں، حدیث ہے، حوالہ بھی درست نہیں۔

☆ ص: ۶۴، س ۳: می بُرد غلط، می بَرد درست ہے۔

☆ ص: ۶۹، س ۱۸: ضعیف و نالی غلط ہے، (صفحہ) ''بیست وہشت'' پر اس پر بحث بھی موجود ہے۔

☆ ص ۷۳، س ۳: می پنداشتیم دو بار لکھا گیا ہے، ایک بار می پنداشتم کی صورت میں۔ دونوں میں سے کوئی ایک ہونا چاہیے۔

☆ ص: ۸۷، س ۲۳: درست تر ہونا چاہیے۔

☆ ص: ۱۰۷، س ۱۱: قباب۔ عزت، قبابِ عزت صحیح ہے۔

☆ ص:۱۰۸،س ۱۴: فقیری فعیل ......فعیل بے معنی ہے، معیل ہی درست ہے۔ضبط ......؟؟ بہتر ہے۔

☆ ص:۱۱۲،س ۱۰: دوسرا مصراع بے وزن ہے، ببیند درست ہے، بیبنید غلط۔

☆ ص ۱۲۳،س ۱۳: آیت کا آخری لفظ بنیہ ہے۔کتاب میں کہیں اور درست بھی درج ہے،ص:۲۴۸

☆ ص ۱۳۷،س ۲۲: مردم،عوام بے جا ہے،مردمِ عوام

☆ ص ۱۴۴،س ۲: پہلا مصراع بے وزن ہے، ہر چند کی جگہ ہر چہ درست ہے۔

☆ ص:۱۶۱،س ۲۰: اثنای کی جگہ اسنای ٹھیک ہے۔

☆ ص:۱۷۳،س ۱: دست اشتباہ ہے۔

☆ ص:۱۸۳،س ۲۱: می بینم۔شاید می بینی ہونا چاہیے۔

☆ ص:۱۸۵،س ۸: جاہلی کاہل کی جگہ: جاہل کاہل یا جاہل وکاہل۔

☆ ص ۱۸۶،س ۷: درگہ سہو ہے۔در کہ

☆ ص:۱۸۹،س ۱۴: دوسرا مصراع بے وزن ہے۔بیند درست ہے۔

☆ ص:۱۹۹،س ۱۴: دوسرا مصراع بے وزن ہے۔ابرو(و)

☆ ص:۱۹۹،س ۲۲: پہلا مصرع ''کہ'' کی وجہ سے ناموزوں ہے۔ضبط کلیات درست ہے۔

☆ ص:۱۹۹،س ۲۳: شعر بے وزن ہے۔دونوں مصرعوں میں آیینہ ہی ہوگا۔

☆ ص:۲۰۱،س ۲: صحابی (ای) ہونا چاہیے۔

☆ ص ۲۰۱،س ۲: پہلا مصراع غیر موزوں ہے۔نیاز کافی ہے۔

☆ ص:۲۱۴،س ۱۳: بادیہ (ای) بہتر ہوگا۔

☆ ص:۲۲۲،س ۹: داروبی کی جگہ داروی درست ہے۔

☆ ص:۲۲۴،س ۵: علیہم والسلام؟

☆ ص:۲۳۳،س ۲: حسب الالتماس؟

☆ ص:۲۳۹،س ۱۴: سبحانہ [و] تعالی ہونا چاہیے۔

☆ ص:۲۶۵،س ۱۳: نزدِ آنچہ...... مفہوم واضح نہیں ہے۔

☆ ص:۲۶۵،س ۲۱: خونبارِ اختیار میں اضافت کا محل نہیں۔

☆ ص:۲۷۸،س ۷: طاعت سہو ہے، طاقت درست ہے۔

☆ص ۲۷۹،س ۱۴: پہلا مصراع نپذ یری سے وزن میں آئے گا اور درست بھی ہوگا۔

☆ ص ۲۷۹: جو روایت اس باب سے مربوط نہیں ہے، وہ حاشیے میں دے دی جاتی تو منشائے مؤلف کی تکمیل ہو جاتی۔ وہ افلاکی کی بے ربطی ہی کے شاکی تھے۔

☆ ص:۲۸۴،س ۲: اسنیٰ کی جگہ اسنای ہونا چاہیے۔

☆ ص:۲۸۷،س ۱۳: محفوظ؟ محظوظ بہتر ہے۔

☆ ص ۲۸۸،س ۱۵: مجلدات مثنوی را (بر)...... بر کے بغیر غیر مربوط ہے۔

☆ ص ۲۹۷،س ۶: درین؟ دردین ہوسکتا ہے۔

☆ ص ۳۰۰،س ۹: نگرندۂ پر ہمزہ بے جا ہے۔

☆ ص:۳۰۱،س ۱: استمالت نامھا، استمالت نامہ ہا ہونا چاہیے۔

☆ ص ۳۰۵،س ۲۰: رحمہ اللہ تعالی درست ہے، تاء نہیں، ہا کی جگہ ہے۔

☆ ص:۳۰۹،س ۶: (و) بے جا ہے۔ شاید معنی کی وجہ سے۔

☆ ص:۳۱۲،س ۱۱: وبرگلویش نکشید سے کیا مفہوم ہوگا؟

☆ ص:۳۱۲،س ۱۳: کردید کا یہ استعمال نادر اور اہم ہے۔ مقدمے میں مذکور ہونا چاہیے تھا۔

☆ ص:۳۱۶، ۳۱۷: مصلح الدین یا ناصح الدین آپس میں گڈ مڈ ہو گئے ہیں۔ ظاہر ہے ان میں سے کوئی ایک ہی درست ہوگا۔

☆ ص: ۳۲۴،س ۱: نوبتِ دوم بار......؟ پورے متن میں اور کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ اسے مؤلف کا اسلوب یا کوئی رائج انداز قرار دیا جا سکے۔

☆ ص:۳۲۷،س ۴: دوسرے مصرعے میں ''می رند'' لکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ بول چال کی زبان استعمال کی جارہی ہے، جب کہ کہیں سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی۔ یہ ''میرند'' ہے، یعنی امیراند۔

☆ ص:۳۲۹،س ۳:''بہ نقلِ خانہ اش کردند''؟ بہ خانہ اش نقل کردند۔پہلی صورت تب مختار ہوسکتی ہے کہ متن میں ایسی کچھ شہادتیں بھی موجود ہوں، جونہیں ہیں۔

☆ ص:۳۳۶،س ۶:بات تو''پسر'' کی ہورہی ہے،کہیں یہ''شہر'' پسر نہ ہو۔اول وآخر کے قرائن سے بھی پسر ہی لگتا ہے۔

☆ ص:۳۴۵،س ۱۲:دوسرا مصراع''ور'' سے درست ہوگا۔''در'' ٹھیک نہیں ہے۔

☆ ص:۳۴۸،س ۲۲:پہلے مصراع میں''بی تلبیس اند'' درست نہیں، پی ہونا چاہیے۔

خلاصۂ معروضات تمام ہوا، باقی عندالتّلاقی

نیازمند معین نظامی (المولوی العارفی)

۱۹ نومبر ۲۰۱۱ء، ہفتہ

(ساڑھے تین بجے سہ پہر)

حواشی

(۱)مولانا جلال الدین رومی کا شعر:

گر بگویم شرح این بی حد شود مثنوی ہفتاد من کاغذ شود

(مثنوی معنوی)

(۲)تفصیل لکھنے کی نوبت نہ آسکی۔(۳)احمد بن محمود معروف بہ معین الفقرا نویں صدی ہجری کے اہم اہل قلم تھے۔ وہ مشہور نقشبندی شیخ طریقت خواجہ محمد پارسا (م:۸۲۲ھ) کے مرید تھے۔مزارات بخارا کے موضوع پر تاریخ ملازادہ ان کی معروف تالیف ہے۔معین الفقرا نے خلاصۃ المناقب کے نام سے مناقب العارفین افلاکی کی تلخیص لکھی تھی۔قیاس ہے کہ یہ تلخیص ۸۲۲ھ سے کچھ پہلے لکھی گئی تھی۔ایک نوجوان ایرانی فاضل محمد افشین وفائی اس کی تصحیح وتدوین کرچکے ہیں۔(لیکن یہ تا حال شائع نہیں ہو پائی)

آثار علمیہ و تاریخیہ

دستور العمل انجمن ترقی اردو
علامہ شبلی کی ایک غیر مدون تحریر

اشتیاق احمد ظلی

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی ایک شاخ کی حیثیت سے انجمن ترقی اردو کا قیام کانفرنس کے دہلی اجلاس منعقدہ ۴ جنوری ۱۹۰۳ء میں عمل میں آیا اور علامہ شبلی اس کے پہلے سکریٹری مقرر ہوئے۔ وہ اس وقت حیدرآباد میں ناظم علوم کے عہدہ پر برسرکار تھے۔ ''لسان الصدق'' فروری ۱۹۰۴ء میں شائع ہونے والی ان کی ایک رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ تاسیس کے اگلے ہی دن ۵ فروری ۱۹۰۳ء کو کانفرنس کے ایک پرائیویٹ اجلاس میں انجمن کا ایک مختصر دستور تیار کیا گیا تھا لیکن اس وقت اس کے متعلق کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا جاسکا تھا۔ ارکان سے خط و کتابت کے ذریعہ اس کو آخری شکل دینے میں کسی قدر تاخیر ہوئی اور اپریل ۱۹۰۳ء سے پہلے اس کی اشاعت ممکن نہیں ہوسکی۔ اس کی اشاعت کی تاریخ ۱۸/اپریل ۱۹۰۳ء ہے،(۱) بدقسمتی سے اب یہ مطبوعہ دستور العمل کہیں دستیاب نہیں ہے۔

علامہ شبلی کے عہد نظامت میں جو کتابیں انجمن کی طرف سے شائع کی گئیں ان میں ''رہنمایانِ ہند'' شامل ہے جسے نارائن پرشاد ورما نے ترجمہ کیا تھا۔ اس کے آخری صفحہ پر انجمن ترقی اردو کے عنوان سے کچھ معلومات دفعہ وار درج ہیں۔ ان دفعات کو پڑھنے سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ شاید یہ انجمن کے دستور العمل کا حصہ ہے۔

گذشتہ دنوں علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کی ورق گردانی کے دوران راقم حروف نے اس دستور العمل کو دریافت کیا۔ یہ اہم تاریخی دستاویز ۲۱/مارچ اور ۳۱/مارچ ۱۹۰۳ء کے دوشماروں میں علامہ شبلی کے دستخط سے شائع ہوئی تھی اور خوش قسمتی سے ابھی تک محفوظ ہے،(۲) حیرت کی بات ہے کہ اتنی اہم دستاویز اس موضوع پر کام کرنے والوں کی نظر سے کیسے پوشیدہ رہی۔ ''باقیات شبلی'' بھی اس کے ذکر سے خالی ہے۔ غالباً ارکان کی تجاویز کی روشنی میں اسے آخری شکل دینے کے بعد

اس کی باقاعدہ اشاعت سے پہلے اطلاع عام اور مشورہ کی غرض سے اسے گزٹ میں شائع کیا گیا تھا۔ ''رہنمایانِ ہند'' کے آخری صفحہ پر جو تحریر دفعہ وار درج ہے وہ اپنی اسپرٹ اور مفہوم کے لحاظ سے تو اس دستور سے پوری طرح ہم آہنگ ہے لیکن اس کے الفاظ بالکل الگ ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انجمن کے مجموعی مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے اختصار کے ساتھ انہیں یہاں پیش کر دیا گیا ہے۔ سکریٹری کی حیثیت سے یہ کام علامہ شبلی نے کیا ہوگا۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی ''اسلوب نگارش'' کی روشنی میں اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں یہ علامہ شبلی کی تحریر ہے۔(۳)

یہ ظاہر ہے کہ سکریٹری کی حیثیت سے دستور کا ابتدائی خاکہ بھی علامہ شبلی ہی نے تیار کیا ہوگا اور ارکان کی تجاویز کی روشنی میں اس کو آخری شکل بھی انہوں نے ہی دی ہوگی۔

علامہ شبلی کی یہ غیر مدون تحریر انجمن ترقی اردو کی تاریخ میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر اسے ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

روداد شعبہ علمیہ متعلقہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس

صیغہ اردو

منعقدہ ۴ جنوری ۱۹۰۳ء بمقام دہلی

پبلک کو معلوم ہے کہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس عملی کارروائی کی غرض سے متعدد شعبوں میں منقسم ہے۔ من جملہ ان کے ایک شعبہ علمی ہے جس کے صیغہ اردو کی روداد پبلک کی اطلاع اور مشورہ کی غرض سے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ امید ہے کہ ملک کے اہل الرائے لوگ اپنے مفید مشورہ سے آنریری سکریٹری صیغہ مذکور کی امداد کریں گے تاکہ مجوزہ قواعد مع نظر ثانی چھاپے جائیں اور عملی کارروائی شروع ہو۔

اردو زبان اور اردو لٹریچر اگرچہ قدرتی اسباب کی وجہ سے خود بخود ترقی کر رہا ہے لیکن اس وقت تک اس کی ترقی اور استحکام کے لیے کوئی مستقل اور منظم طریقہ نہیں اختیار کیا گیا، حالانکہ ہندوستان کی جس قدر ملکی زبانیں ہیں ہر ایک کی ترقی کے لیے نہایت سرگرم اور مفید کوششیں کی جارہی ہیں مثلاً پونا میں مرہٹی زبان، بنارس میں ناگری اور کلکتہ میں بنگالی زبان کو ترقی دینے کے لیے سالانہ زر کثیر صرف کر رہے ہیں اور عملی صورت میں اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔

اس بنا پر اس سال ایجوکیشنل کانفرنس کی علمی شاخ میں ایک عہدہ خاص اردو زبان کی ترقی دینے کا قائم کیا گیا ہے اور اس کی کارروائی کے لیے ایک مختصر سا دستور العمل بھی مرتب کیا گیا جو حسب ذیل ہے:

دفعہ ۱۔ اس انجمن کا نام انجمن ترقی اردو ہوگا۔

دفعہ ۲۔ یہ انجمن محض ایک علمی انجمن ہے اس لیے اس کو گورنمنٹ کے کسی معاملہ سے کسی قسم کا تعلق نہ ہوگا۔

دفعہ ۳۔ اس انجمن کے عہدیدار حسب ذیل ہیں:

صدر انجمن: مسٹر آرنلڈ، پروفیسر گورنمنٹ کالج، لاہور۔

نائب صدر انجمن: شمس العلماء ڈاکٹر مولوی نظیر احمد صاحب، شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب، مولانا خواجہ الطاف حسین حالی صاحب۔

سکریٹری: شمس العلماء مولوی محمد شبلی نعمانی

اسٹنٹ سکریٹری: مولوی حامد علی صدیقی سہارنپوری

دفعہ ۴۔ علاوہ عہدیداران بالا کے اس انجمن میں تین قسم کے ارکان ہوں گے: انتظامی، اعزازی اور اعانتی۔

انتظامی ارکان کے فرائض حسب ذیل ہوں گے:

۱۔ انجمن کے مقاصد میں مدد دینا اور انجمن کی ترقی کے متعلق مفید مشورہ اور صلاح دینا۔

۲۔ سکریٹری کے جواب طلب خطوط کا جواب دینا جس کی میعاد دو ہفتہ سے زائد نہ ہو۔

۳۔ انجمن کے لیے وقتاً فوقتاً قواعد و دستور العمل مرتب کرنا۔

۴۔ سالانہ جلسوں میں شریک ہونا اور انجمن کی ترقی کے متعلق جو کچھ کارروائی کی ہو اس کو پیش کرنا۔

اعزازی ارکان وہ ہوں گے جو انجمن کو معتدبہ مالی یا علمی مدد دیں نیز وہ حضرات جنھوں نے اس وقت تک اپنی تصنیفات و تالیفات سے اردو زبان کو فائدہ پہنچایا ہے۔

ارکان اعانت وہ ہوں گے جو سالانہ چندہ دیں یا جو اس بات کو منظور فرمائیں کہ انجمن کی نگرانی اور اہتمام میں جو کتابیں وقتاً فوقتاً طیار ہوں گی ان کی نسبت وہ اجازت دیں گے کہ ان کے

نام بذریعہ قیمت طلب پارسل بھیج دی جائیں بشرطیکہ ان کی قیمت سال میں (پانچ روپیہ) سے زائد نہ ہو اور اس سے زائد کے لیے خاص ان کی منظوری حاصل کرنی ہوگی۔

دفعہ ۵۔ یہ انجمن اردو زبان کی ترقی کے لیے حسب ذیل عملی طریقہ اختیار کرے گی:

۱۔ اردو زبان میں جو کتابیں انشاء پردازی اور مضمون کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کی تصنیف ہوچکی ہیں یا آئندہ ہوں گی، ان کی فہرست وقتاً فوقتاً شائع کرتی رہے گی تاکہ ملک میں عمدہ تصنیفات کا رواج ہو اور ان کے نمونہ پر اعلیٰ تصنیفات کا حوصلہ پیدا ہو۔

۲۔ وقتاً فوقتاً ان کتابوں کی فہرست شائع کرے گی جو انگریزی اور عربی زبان سے ترجمہ کرنے کے قابل ہو۔

۳۔ ان مضامین کو متعین کرے گی جن پر نئی تصنیفات طیار ہونی چاہیے۔

۴۔ ایک فہرست زمانہ حال کے اہل قلم کی مرتب کرے گی جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ ملک میں کس درجہ کے اہل قلم موجود ہیں اور ان کا مذاق کس کس قسم کی تصنیف وتالیف کی طرف مائل ہے۔

۵۔ مصنّفین کسی تصنیف کے متعلق اگر کوئی مشورہ یا تاریخی مواد کے متعلق اطلاع حاصل کرنی چاہیں گے تو تاامکان ان کو مدد دے گی۔

۶۔ اگر کوئی صاحب کسی کتاب کی تصنیف یا ترجمہ کا معاوضہ چاہیں گے تو بشرط پسند ان کو معاوضہ دے کر اپنی طرف سے اس کتاب کو شائع کرے گی۔

۷۔ ایک رجسٹر ایسے علم دوست حضرات کا طیار اور مرتب کرے گی جو یہ منظور کریں کہ انجمن جس کتاب کی سفارش کرے گی اس کو خرید لیا کریں گے۔

(دستخط) شبلی نعمانی

ناظم علوم وفنون، حیدرآباد

حواشی

(۱) شبلی نعمانی، لسان الصدق، فروری ۱۹۰۴، ص ۷-۸ مشمولہ محمد الیاس الاعظمی، شبلی شناسی کے سوسال، ادبی دائرہ، اعظم گڑھ، ۲۰۱۴ء، ص ۲۳۶-۲۳۷۔ (۲) علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، ۲۱/مارچ ۱۹۰۳، ص ۸، ۳۱/مارچ ۱۹۰۳، ص ۸۔

(۳) ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، علامہ شبلی کی چند غیر مدون تحریریں، معارف، اپریل ۲۰۱۹ء، ص ۲۶۶-۲۶۷۔

ادبیات

غزل

جناب محمد طارق غازی

اقلیمِ فقرِ ہست میں پھر بود و باش کر — خواجہ کو اس بساط پہ مت خواجہ تاش کر

ہستی کے ہیں رموز الاسماء کلھا — دیکھ ان کو اس زمین کے ذرے تراش کر

ذروں کی مادیات میں روحانیات ہیں — اس بحث میں بھی صرف مہ و سال کاش کر

مردہ زمینِ دل میں تمنا کا بیج بو — کچھ کاشتکاری مزرع حیرت میں کاش کر

بس روٹیاں نہیں ہیں تری زندگی کا رزق — اک مختلف طریقے سے پیدا معاش کر

کب تک زباں کا لقمہ رہے گی یہ گومگو — راہیں نکال سوچ سے پیدا خراش کر

اے سست چشم ذہن میں سیل نشاط لا — بحر نفس میں لہروں سے کچھ ارتعاش کر

تو اس کا راز ہے جو ترے دل کا راز ہے — اپنے وجود کو ذرا اب خود پہ فاش کر

تو ریگ حال میں نہ پتا اپنا پائے گا — تاریخ کے زمانوں میں اپنی تلاش کر

اپنے دل و دماغ کی جانب پلٹ کے آ

تہذیب سے فراغ کی جانب پلٹ کے آ

☆☆

☆ وہٹبی، کینڈا۔

مطبوعات جدیدہ

۱۔شذرات ریاض شروانی (پروفیسر ریاض الرحمٰن شروانی) مرتب: ڈاکٹر فخر عالم ندوی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۶۴۰، قیمت ۳۵۰ روپے، پتہ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، مسلم یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ۔ حبیب منزل، میرس روڈ، علی گڑھ اور آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، سلطان جہاں منزل، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ۔

کچھ کوتاہیاں ایسی ہوتی ہیں جن کے لیے حرف اعتذار بھی اپنی معنویت کھودیتا ہے، یہ بیش قیمت کتاب ۲۰۱۵ء میں چھپی اور نمایاں ضخامت کے باوجود خدا جانے کیوں اوجھل سی رہی، کتاب کا تعارف اس کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ یہ فاضل جلیل پروفیسر ریاض الرحمٰن شروانی کے قلم سے نکلے ہوئے وہ اداریے ہیں جو رسالہ کانفرنس گزٹ کے ایک نسبتاً طویل دور احیاء کی یادگار ہیں، علی گڑھ کے نام کے ساتھ مسلم یونیورسٹی اور یونیورسٹی کے ذکر میں خانوادہ شروانی گویا اجزائے غیر متجزی ہیں، ادارہ سرسید کے یونیورسٹی بننے سے پہلے مولانا حبیب الرحمن شروانی نے رسالہ کانفرنس گزٹ جاری کیا، وراثت علمی حاجی عبیدالرحمٰن شروانی مرحوم سے ہوکر زیر نظر کتاب کے شذرات نگار تک پہنچی اور واقعہ یہ ہے کہ چالیس صفحات کا بظاہر سادہ سا یہ رسالہ اپنے شذرات اور کتابوں پر تبصروں کی وجہ سے قدردانوں کے لیے رسالہ منتظر بن گیا، فاضل شذرات نگار نے اس اہتمام کی وجہ بتائی کہ اداریے کے بغیر اخبار یا رسالہ بے نمک کا سالن ہوتا ہے، حالات حاضرہ کا تجزیہ محض ذائقہ ہی نہیں، زود ہضم اور تقویت بخش ہونا بھی ضروری ہے، شروانی صاحب کے شذرات اس لحاظ سے بھی بہتوں سے جدا اور ممتاز ہوئے، سیاسی گفتگو تو ناگزیر ہوتی ہے لیکن جب مدیر کا رویہ جماعتی سیاست سے الگ رہنے کا ہو تو غیر جانب داری میں خلوص اور خیر دونوں آجاتے ہیں۔ مسلم یونیورسٹی کے انتظامی معاملات ظاہر ہے شذرات کے لیے مواد و مسالہ مہیا کرنے میں کافی تھے لیکن شروانی صاحب نے ان معاملات میں دخل دینے کی روش سے اجتناب شعوری طور پر کیا اور اسی سے کشادہ ظرفی اور وسیع القلبی کی اس خوشبو کا احساس ہوا جو طہارت نفس اور پاکیزگی کے خیال

سے پھوٹتی ہے، ان تحریروں کے مشمولات کیا، عنوانات کے متحمل یہ صفحات نہیں ہوسکتے۔ کانفرنس گزٹ، مسلم یونیورسٹی، سرسید، تعلیمی مسائل، سماجی معاملات اور وفیات کے تحت افکار، نظریات اور حل مشکلات کی موجیں ہیں جو قوم وملت کی کشتی کے ڈوبنے ابھرنے کا منظر پیش کرتی جاتی ہیں، یہاں بطور مثال صرف ایک شذرہ بعنوان ''قابل غور مسئلہ ہے'' جس میں مسلمان ایک طرف اور کفر کی ملت واحدہ دوسری طرف کی بات ہے، کہا گیا کہ اس وقت ہمارے ملک میں آگے دیکھنے والی اور پیچھے نظر رکھنے والی طاقتوں کے درمیان مقابلہ ہے، اس وقت لکھا گیا تھا کہ بدقسمتی سے ہمارے ہاں کی حزب اختلاف سراسر تخریب پسند ہے، شذرات نگار کا خیال تھا کہ اس حزب مخالف کو کیے کی سزا ملے گی لیکن آج یہی حزب اقتدار ہے، ہاں یہ بات آج بھی سچ ہے کہ جب تک اقتدار اعلیٰ صحیح معنوں میں ترقی پسند طاقتوں کے ہاتھ میں نہیں آئے گا، انسانوں کا خون بہتا رہے گا اور اصل کامیابی دور ہوتی جائے گی۔ قوم وملت کی نبض شناسی کے لیے ان شذرات کو حکیمانہ نسخوں کی حیثیت سے دیکھنا اور برتنا چاہیے۔ لائق مرتب کی محنت لائق داد ہے لیکن اگر شذرات کے ساتھ ان کی تاریخ اشاعت بھی درج کردی جاتی تو افادیت بڑھ جاتی، انتساب بھی ایسے شخص کے نام ہے جو اب قومی تاریخ میں کہیں گم سے ہوگئے لیکن جو اپنے نفس گرم اور افکار تازہ کے لیے ہمیشہ یاد کیے جانے کے لائق ہیں، سید محمد ٹونکی مرحوم، کیا شخصیت تھی، کاش ان پر بھی کوئی تحقیقی کام ایسا آجائے کہ کہنے والا کہہ سکے کہ ''کارے کردم''۔

۲۔ سوانح حضرت امیر شریعت (امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کی حیات وخدمات) از ڈاکٹر محمد وقارالدین لطیفی ندوی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد، صفحات ۳۳۶، قیمت ۳۰۰ روپے، پتہ: مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ، دارالاشاعت خانقاہ رحمانی، مونگیر اور پٹنہ، نئی، دیوبند کے کئی مکتبے۔

ملک عزیز کی آزادی وتقسیم کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کی شیرازہ بندی اور ان کی دینی و ملی اور سیاسی معاشرتی رہنمائی کا مشکل ترین فریضہ جن صاحبان عزیمت کی قسمت میں آیا اور جنھوں نے اس فریضہ کو انجام دینے کی اپنی سی ممکن محنت کی، ایسی شخصیتوں میں ایک نمایاں نام مولانا منت اللہ رحمانی کا ہے، ۱۹۱۲ء میں وہ پیدا ہوئے اور ۱۹۹۱ء میں ان کا انتقال ہوا، ہندوستان

کی تاریخ میں یہ قوموں اور ملکوں کے بننے اور بگڑنے کا ایسا زمانہ ہے جس میں ہر پل گویا ایک عہد ہے، قوموں کی تصویر بلکہ تقدیر بدلنے کے منظروں کا ایسا تسلسل کم دیکھنے کو ملتا ہے اور جن لوگوں نے اس رفتار زمانہ کو بصیرت کی آنکھوں سے دیکھا وہ تو اور بھی کم، بہت کم ہیں، مولانا رحمانی ایسے ہمہ جہت تھے جن کی مرقع آرائی میں مصور کو کئی رنگوں کی ضرورت آ کر رہتی ہے، خانقاہ، مدرسہ، شریعت، سیاست، ان چار زاویوں پر مبنی شکل اول تو غیر معمولی ہی کہی جائے گی اور پھر ان میں بے نیازی، حکمت و دانش، مصلحت، جرأت اور فراست کے رنگ اگر گہرے ہوں تو پس منظر اور پیش منظر کے دلکش اور جاذب ہونے میں شبہ نہیں رہ جاتا، اس کتاب میں کچھ یہی عالم ہے، ہے تو یہ پی ایچ ڈی کا مقالہ لیکن واقعات اور ان کے تعارف و تجزیہ میں ناپختگی کے شکوک کی گنجائش سے پرے تصنیفی سلیقہ مندی اس طرح ہے کہ پہلے باب میں حالات زندگی، دوسرے میں تعلیمی و تصنیفی اور تیسرے میں دینی وملی اور آخری باب میں سیاسی، سماجی، رفاہی اور فلاحی خدمات کو پیش کیا گیا ہے، مولانا مرحوم کی زندگی میں سب سے پرشور مسلم پرسنل لا بورڈ میں ان کے عملی بلکہ مجاہدانہ نقوش کی چمک دمک ہے، اس لیے قدرتاً اس کا ذکر بھی نمایاں ہے لیکن امارت شرعیہ کے ذریعہ اسلام کے عقائد و احکام اور معاملات کو عام مسلمان کی زندگی میں دیکھنے اور دیکھے جانے کی ان کی کوششیں، پھر خانقاہ کے ذریعہ تزکیہ و تربیت کے عمل کی پاسداری اور دینی تعلیم کی عملداری کے ذکر نے اس کتاب کو صرف ایک سوانح ہی نہیں بیسویں صدی کے ہندوستان کی تاریخ میں ایک دستاویزی حیثیت بھی عطا کر دی ہے۔ کتاب میں مولانا سید محمد رابع ندوی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی قیمتی تقریظوں کے علاوہ حضرت امیر شریعت کے جانشین مولانا ولی رحمانی کی جامع تحریر بھی ہے جس نے کتاب کے استناد و اعتبار کو اور باوزن بنا دیا۔

۳۔ اقبال بہ چشم خیر، از ڈاکٹر رؤف خیر، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد، صفحات ۱۹۲، قیمت ۲۰۰ روپے، پتہ: ڈاکٹر رؤف خیر، موتی محل، گول کنڈہ، حیدرآباد-۸۔

اقبال کا مطالعہ عموماً عمل خیر سمجھا گیا ہے، زیر نظر کتاب تو بہ چشم خیر کا اعلان ہی کرتی ہے، ڈاکٹر رؤف خیر حیدرآباد دکن کے ان اصحاب قلم میں ہیں جن کا خمیر اگرچہ خیر سے تیار ہوا ہے لیکن اس میں زندہ دلان حیدرآباد کی فطری شوخی بھی شامل رہتی ہے، اب یہی جملہ دیکھیے کہ ''اقبال کے

بالمقابل بعض شاعر اپنے آپ کو خاتم الشعرا یا شاعر آخر الزماں سمجھیں تو ان کی حیثیت مسلمہ نہیں بلکہ مسیلمہ (کذاب) جیسی ہے''، یا یہ کہ ''اقبال کے بعد شاعری کا دعویٰ کرنا نبوت کا دعویٰ کرنے کے برابر ہے، زیادہ سے زیادہ اولیائے غزل یا اوصیائے نظم کہہ سکتے ہیں''، ان کو اقرار ہے کہ اقبال کبھی کسی کی مکمل گرفت میں نہیں آتے، پھر بھی انہوں نے مختلف جہات سے اقبال کو چھونے کی کوشش کر ڈالی، جیسے اقبال اور مادۂ تاریخ، فکر وفن، بچوں کے اقبال، فضائل، اقبال، اسلوب اقبال، فلسفہ خودی، کیٹس گوئٹے، یورپ اور ادب اسلامی، طنز وظرافت وغیرہ مضامین سے اقبال کی عقیدت تو ظاہر ہوتی ہی ہے، اس کی بہت سی دلچسپ وجہیں بھی سامنے آجاتی ہیں۔

خیر صاحب کے خیال میں ادب اسلامی کا نقیب ہونا ہی اقبال کو اقبال بناتا ہے ورنہ وہ بھی میرؔ یا غالبؔ یا داغؔ کی طرح کے کوئی شاعر ہو کر رہ جاتے............ایک سوال یہ بھی کیا گیا کہ اقبال کو روشن خیال ماننے میں آخر تامل کیوں ہے؟ ایک جگہ ادب، شعر، آرٹ یا اسلوب کی جامع تعریف بیان کرنے کو وہ حروف مقطعات کے معنی تلاش کرنے کے برابر مانتے ہیں۔

۴۔ صدائے فگاراں، از: جناب تشنہ اعظمی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۱۷۶، قیمت ۲۲۵ روپے، پتہ: دانش محل، امین آباد، لکھنؤ اور مصنف کا پتہ: ۵۳۸۔ بی/ ۴۳، دین دیال نگر، دوپ پور کھدرا، لکھنؤ۔ ۲۰۔

آپ بھی پڑھتے تو ہوں گے آج کل اخبار میں ۔۔۔ جرم کس کا اور کس کی داستاں ہے بولیے
جسم مٹی، روح مہماں، سانس بھی اس کی تو پھر ۔۔۔ آپ کو کس بات پر اتنا گماں ہے بولیے
اگے ہیں جن کی ہتھیلیوں میں سینکڑوں کانٹے ۔۔۔ انہی سے ہاتھ ملانا ہے کیا کیا جائے
دن کے ہارے ہوئے جب شام کو گھر جاتے ہیں ۔۔۔ زندگی ہم تری آغوش میں مر جاتے ہیں

تشنہ اعظمی نوجوان شاعر ہیں، شعر گوئی میں گویا دور اول سے گزر رہے ہیں لیکن زندگی کی آغوش میں مرنے اور جسم وروح کی کشمکش سے مسلسل گزرتے رہنے کی وجہ سے وہ اعلان کر سکتے ہیں کہ شاعری ان کی سچ ہے، سچ کے سوا کچھ نہیں، غزل سے ان کو پیار ہے اور یہ ان کے مزاج کی شرافت کی دلیل ہے، ان کو ملک زادہ منظور اور انور جلال پوری جیسے سخنوروں کی داد ملتی رہی، یہ ان کے فکر کی اصابت کی دلیل ہے، یہ مجموعہ شعر سچا ہے اس لیے دل پہ اثر کرتا ہے۔ ع۔ص

رسید کتب موصولہ

المختار من وفیات الاعیان: احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان، ڈاکٹر محمد فرمان ندوی۔

مؤسسة الصحافة والنشر ندوۃ العلماء، لکھنؤ قیمت: ۱۸۰/روپے

پریم چند اوران کا فن: مرتب ڈاکٹر شباب الدین، بک بائنڈنگ ہاؤس، اک منارہ مسجد، تکیہ، اعظم گڑھ۔ قیمت: ۳۰۰/روپے

تحقیق وتلاش: ابوالکلام رحمانی، معین وقار رحمانی Q-510، ملابگان، مٹیابرج، کولکاتا۔

قیمت: ۳۰۰/روپے

تذکرہ غوث العالم: محمد ظفر علی قادری ہاشمی، صدیق بک ڈپو، امین آباد، لکھنؤ۔

قیمت: ۲۰۰/روپے

تذکرہ مشاہیر ادب: مشرقی مگدھ (۱۷۴۰ تا ۱۹۶۰) ابوالکلام رحمانی، 21/3B مومن پورہ روڈ، کولکاتا۔ قیمت: ۵۰۰/روپے

............حرم کی چوکھٹ پر: مولانا ڈاکٹر محمد فرمان ندوی، مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

قیمت: ۶۰/روپے

دبستان شبلی کی تنقید نگاری: ڈاکٹر کہکشاں آفتاب، موضع و پوسٹ مورکی، ضلع جونپور۔

قیمت: ۴۵۰/روپے

دیوان وجیہ: مولانا شاہ وجیہ الدین احمد قادری، مرتب محمد شعائر اللہ خاں وجیہی، مکتبہ جامعہ اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔ قیمت: ۲۰۰/روپے

طبی تذکرے: حکیم خورشید احمد شفقت اعظمی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

قیمت: ۱۵۰/روپے

مشاہیر شعر وادب: پروفیسر محسن عثمانی ندوی، قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، نظام الدین، نئی دہلی۔ قیمت: ۲۹۵/روپے

تصانیف علامہ شبلی نعمانیؒ

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن)	2000/-	موازنہ انیس و دبیر	250/-
سیرۃ النبیؐ		اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر	100/-
(خاص ایڈیشن مکمل سیٹ ۷ جلدیں)	2200/-	سفرنامہ روم و مصر و شام	200/-
علامہ شبلی و سید سلیمان ندوی		کلیات شبلی (اردو)	220/-
مقدمہ سیرۃ النبیؐ	30/-	کلیات شبلی (فارسی)	45/-
الفاروق	300/-	مقالات شبلی اول (مذہبی)	170/-
الغزالی	200/-	مرتبہ: سید سلیمان ندوی	
المامون	175/-	مقالات شبلی دوم (ادبی) 〃	70/-
سیرۃ النعمان	300/-	مقالات شبلی سوم (تعلیمی) 〃	80/-
سوانح مولانا روم	220/-	مقالات شبلی چہارم (تنقیدی) 〃	200/-
شعر العجم اول	300/-	مقالات شبلی پنجم (سوانحی) 〃	150/-
شعر العجم دوم	150/-	مقالات شبلی ششم (تاریخی) 〃	90/-
شعر العجم سوم	125/-	مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ) 〃	100/-
شعر العجم چہارم	200/-	مقالات شبلی ہشتم (قومی و اخباری) 〃	110/-
شعر العجم پنجم	150/-	خطبات شبلی مرتبہ: عبدالسلام ندوی	80/-
الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی	350/-	انتخابات شبلی مرتبہ: سید سلیمان ندوی	45/-
(محقق ایڈیشن) تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی		مکاتیب شبلی اول 〃	150/-
الکلام	250/-	مکاتیب شبلی دوم 〃	190/-
علم الکلام	200/-	اسلام اور مستشرقین چہارم (علامہ شبلی کے مقالات)	250/-

ISSN 0974 - 7346 Ma'arif (Urdu) -Print
June 2019 Vol - 203 (6)
RNI. 13667/57 MA'ARIF AZM/NP-43/019
Monthly Journal of
Darul Musannefin Shibli Academy
P.O.Box No: 19, Shibli Road, Azamgarh, 276001 U.P. (India)

مطبوعات شبلی صدی

۱۔	سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن)	علامہ شبلی نعمانی	2000/-
۲۔	شبلی کی آپ بیتی	ڈاکٹر خالد ندیم	325/-
۳۔	دارالمصنّفین کے سو سال	کلیم صفات اصلاحی	350/-
۴۔	شذرات شبلی (الندوہ کے شذرات)	مرتبہ: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	220/-
۵۔	محمد شبلی لائف اینڈ کنٹری بیوشنس	ڈاکٹر جاوید علی خاں	230/-
۶۔	حیات شبلی	علامہ سید سلیمان ندوی	650/-
۷۔	مولانا الطاف حسین حالی کی یاد میں	اشتیاق احمد ظلی	250/-
۸۔	حیات سعدی	تصنیف: خواجہ الطاف حسین حالی	400/-
۹۔	شبلی شناسی کے اولین نقوش	مرتبہ: ظفر احمد صدیقی	600/-
۱۰۔	شبلی ایک دبستان	آفتاب احمد صدیقی	250/-
۱۱۔	متاع رفتگاں	شاہ معین الدین احمد ندوی	200/-
۱۲۔	یہود اور قرآن مجید	مولانا ضیاء الدین اصلاحی	150/-
۱۳۔	رسائل شبلی	علامہ شبلی نعمانی	300/-
۱۴۔	اردو ترجمہ مکاتیب شبلی	ڈاکٹر خالد ندیم	110/-
۱۵۔	تاریخ بدء الاسلام (علامہ شبلی نعمانی)	مرتبہ: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	300/-
۱۶۔	مراسلات شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	150/-
۱۷۔	مطالعات شبلی	مرتبہ: اشتیاق احمد ظلی	550/-
۱۸۔	الفاروق (ہندی)	علامہ شبلی نعمانی	450/-
۱۹۔	الندوہ (جلد ۱۔۹)		4735/-